ماہنامہ

اظہار

کراچی

NOVEMBER 2022

امام الاولیاء سیدنا شیخ
محی الدین عبد القادر جیلانیؒ

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں ای ڈی پی اسکیمز پر نظرثانی اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے۔

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ شہدائے کارساز 2007ء کے شہیدوں کی یاد میں میڈیا سے مخاطب ہیں۔ اس موقعہ پر
وزیر بلدیات سعید غنی، وزیر اطلات شرجیل انعام میمن، ایڈمنسٹیٹر کراچی مرتضیٰ وہاب اور خصوصی صلاحکار وقار مہدی بھی موجود ہیں۔

ماہنامہ اظہار کراچی

جلد26شمارہ11، نومبر 2022ء

فہرست

اداریہ		02
امام الاولیاء سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ	محمد سلمان	03
غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	سید عامر حسین	07
سلسلہ قادریہ کے بانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	محمد سمیع اللہ	11
دین کو زندہ کرنے والے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی	مہناز غنی	15
علامہ اقبال حیات و خدمات	اطہر بیگ	20
اقبال کی نظم سیرِ فلک کا نودریافت ماخذ	سمیع اللہ	24
یومِ اقبال	افشاں خان	28
شاہ عبداللطیف اور وارث شاہ کی شاعری میں ہم آہنگی	قرۃ العین ذیشان	36
مادر جمہوریت بیگم نصرت بھٹو جرات و برداشت کی علمبردار	محمود خان	41
خواتین پر تشدد کے خلاف عالمی دن	شہناز اختر	44
IQ اور EQ کیا ہوتا ہے؟	یسریٰ سلیم	47
چانگان چین کا سب سے قدیم شہر	عامر حسین	52
ارنسٹ ہیمنگوے مشہور امریکی ناول نگار اور صحافی	مہوش اویس	56

ناشر: محکمہ اطلاعات، حکومت سندھ

پرنٹر: پیکاک پرنٹرس اینڈ پبلشرس، کراچی-فون:0300-2152634

نگران اعلیٰ
شرجیل انعام میمن
وزیرِ اطلاعات، حکومت سندھ
نگران
عبدالرشید سولنگی
سیکریٹری اطلاعات، حکومت سندھ
....
غلام ثقلین
ڈائریکٹر جنرل پبلک ریلیشنز
مدیر اعلیٰ
منصور احمد راجپوت
ڈائریکٹر انفارمیشن پبلیکیشن
مدیرہ
ارم ملک
ڈپٹی ڈائریکٹر
......
معاونین
رقیہ خانم، عثمان غنی
کمپوزنگ/لے آؤٹ
سید آفاق شاہ

رابطے کے لئے
ڈائریکٹر مطبوعات
محکمہ اطلاعات، حکومت سندھ
بلاک95، سندھ سیکریٹریٹ 4-B، کراچی
فون۔ 021-99202610
ای میل: izharmonthly@gmail.com

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے ایسے مقرب ترین برگزیدہ، جلیل القدر، عظیم المرتبت، ولی ہیں جن کا مبارک اسم گرامی زبان پر آتے ہی جبین نیاز عقیدت واحترام کی دہلیز پر جھک جاتی ہے، عقیدت مندوں کے دل فرحت وانبساط سے جھوم اٹھتے ہیں، قادری ترانے لبوں پہ جاری ہو جاتے ہیں، مایوس دلوں کی دنیا آباد ہونے لگتی ہے، ٹوٹے ہوئے دلوں کے آبگینے جڑنے لگتے ہیں، امیدوں کی قندیلیں روشن ہونے لگتی ہیں۔

آپ کے ارشادات عالیہ بڑے پرُمغز، پرتاثیر اور انقلاب آفریں ہوتے۔آپؒ کے کلام اور شخصیت میں ایک عجیب سی تاثیر اور جلال تھا کہ سننے اور دیکھنے والے کے دل میں رعب اور ہیبت پیدا ہو جاتی اور بڑے سے بڑا منکر بھی جب آپؒ پر نظر ڈالتا تو مرعوب ہو جاتا تھا۔آپؒ کی آواز میں ایک خوبی تھی کہ ہزاروں افراد کی مجلس میں دور و نزدیک سننے والوں\ کو آپؒ کی گفتگو بغیر کسی کمی وبیشی کے پوری طرح صاف سنائی دیتی۔

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی حیات مبارکہ اہل ایمان کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔آپؒ کی زندگی میں دو چیزیں بہت نمایاں ہیں۔ اپنے خالق اللہ تبارک و تعالیٰ سے بے پناہ محبت اور اس کی مخلوق کی خدمت کا بے لوث و بے انتہا جذبہ۔آپؒ کی ذات اقدس اہل طریقت کے لیے اعلیٰ مثال رہی ہے۔آپؒ ولایت و معرفت کے مینارۂ نور کی حیثیت سے کائنات ارضی پر جلوہ گر ہوئے اور اسلام کی تعلیمات اور اس کی روحانی زندگی کو مشارق و مغارب کی پنہائیوں میں نافذ کرتے رہے۔ دنیائے اسلام کی روحانی بارگاہیں آپؒ کی نگاہ کرم سے ہی روشن و منور ہیں۔ ولایت کے تمام سلاسل آپؒ کی ذات سے ہی فیض یاب ہورہے ہیں۔آپؒ کی زندگی سراپا تقویٰ تھی۔آپؒ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ کتاب وسنت کی پیروی میں گزرا۔آپؒ کے شب وروز عبادات ومجاہدات، درس وتدریس اور وعظ ونصیحت میں گزرے۔آپؒ کی زندگی کے تمام گوشے اور شعبے اتباع شریعت اور اطاعت رسول ﷺ سے معمور ہیں۔ غرض آپؒ کی ذات اقدس شریعت کا جلال، طریقت کا جمال، حقیقت کا کمال اور معرفت کی اعلیٰ مثال ہے۔

ادارہ

نومبر
2022ء
ماہنامہ اظہار کراچی

امام الاولیاء

سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ

محمد سلمان

علومِ شریعت کو جانے اوران پر عمل کئے بغیر بارگاہِ الٰہی میں قُرب پالینے کا خیال محض جنون ہی جنون ہے۔

اولیائے کاملین کی مقدس ترین جماعت کے روحانی و عرفانی تذکروں سے تاریخ اسلام کے صفحات اس قدر روشن اور منور ہیں، کہ جن کی تاب ناکی اور پر نور کرنوں سے بزمِ ذہن و فکر جگمگا اٹھتی اور آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، گلستانِ قلب و جگر میں احترام و عقیدت کے مشکبار پھول کھل اٹھتے ہیں، دریائے عشق و محبت موجزن ہو جاتا ہے۔

ربِّ علیم و خبیر عزوجل نے اپنے اَولیاء کا ذکر فرماتے ہوئے اُن کی دو بنیادی شرائط اور علامات بیان فرمائی ہیں: (1) ایمان والا ہونا (2) مُتّقی یعنی پرہیزگار ہونا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہوتا ہے:

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ(۶۳)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔ (پارہ11، یونس: 63)

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ایمان کی حقیقت، تفصیلات اور اس کے تقاضوں سے آگاہی، نیز تقویٰ کے درجات کا حُصول علمِ دین کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ علمِ دین سے جاہل یا فاسق شخص ہرگز اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ علمِ شریعت کے حصول اور اس پر عمل کا انعام طریقت میں کشف و کرامت کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ ہاں اگر علمِ الٰہی میں کسی شخص کا وِلایت کے مرتبے سے سرفراز ہونا طے ہو اور بظاہر اُس کے پاس علم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُس شخص کو علمِ لدنی عطا فرما کر اپنا ولی بنا لیتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اِسی حقیقت کا بیان فرماتے ہیں کہ:

'امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: وما اتخذ اللہ ولیاً جاھلاً۔ اللہ نے کبھی کسی جاہل کو اپنا ولی نہ بنایا۔ یعنی بنانا چاہا تو پہلے اسے علم دے دیا اس کے بعد ولی کیا کہ جو علمِ ظاہر نہیں رکھتا، علم باطن کہ اس کا ثمر و نتیجہ ہے کیونکر (کس طرح) پا سکتا ہے۔' (فتاویٰ رضویہ، 21/530)

مُحقّقِ اہلسنت علامہ شیخ علی بن سُلطان القاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفّٰی1014ھ) بھی اِس حقیقت کو یوں تحریر فرماتے ہیں کہ: ' وما اتخذ اللہ ولیاً جاھلاً ولو اتخذہ لعلمہ۔' یعنی، اللہ تعالیٰ نے کسی جاہل کو ولی نہ بنایا، اور اگر ولی منتخب فرمانا چاہا تو اُسے علم عطا فرما دیا۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 1/427)

غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی قُدِّسَ سِرُّہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقامِ قُطبیتِ کبریٰ کا منصب عطا فرمایا ہے، اس کی ایک وجہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود ظاہر فرمائی ہے اور وہ وجہ علمِ دین کو حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ سیّدنا غوثِ پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب 'قصیدۂ غوثیہ ' کے ایک شعر میں اِس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے۔ چنانچہ سلطانِ اَولیاء،

غوثِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْباً وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَی الْمَوَالِیْ

میں (ظاہری و باطنی) علم پڑھتے پڑھتے قُطب بن گیا اور میں نے مخلص دوستوں کے آقا و مولا عزوجل کی مدد سے سعادت کو پالیا۔

قطبُ الاقطاب، غوث الاَغواث، حضور پُرنور شیخ عبدالقادر جیلانی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی علمی مصروفیات کا اندازہ اِس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقریباً 13 علوم و فنون پر گفتگو فرمایا کرتے تھے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدرسہ میں مختلف اَوقات میں مختلف قسم کے مضامین اور علوم پر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عبداللہ محمد بن خضر حسینی موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا کہ میں نے اپنے والدِ محترم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ:

یعنی، میرے سردار حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تیرہ عُلوم میں کلام فرمایا کرتے تھے اور اپنے مدرسہ میں علمِ تفسیر، حدیث، مذہب، خلافیات کا درس دیا کرتے تھے۔ اور صبح و شام لوگ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے علمِ تفسیر، علمِ حدیث، مذہب، خلافیات، اُصول اور نحو پڑھا کرتے تھے۔ ظہر کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ساتوں) قراءت میں قرآنِ مجید پڑھایا کرتے تھے۔ (بہجۃ الاسرار و معدن الانوار، ذکر علمہ۔۔۔الخ، ص225)

سلطان الاَولیاء سیّدُنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مختلف مقامات سے سوالات آتے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ بڑی مہارت اور سُرعت کے ساتھ بصورتِ فتویٰ اُن کے شرعی جوابات عطا فرمایا کرتے تھے، اس میں کبھی تاخیر نہ ہوا کرتی تھی۔ اُس وقت کے فقہائے کرام حضور پُرنور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قدر جلد فتاویٰ دینے کو دیکھ کر حیران رہے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ 'بہجۃ الاسرار و معدن الانوار' میں کئی علماء اور مشائخ کے حوالے سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ شان یوں نقل کی گئی ہے کہ:

یعنی، سیّدنا شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں بلادِ عراق وغیرہ سے فتاویٰ آیا کرتے تھے۔ ہم

نومبر 2022ء
ماہنامہ اظہار کراچی

نے کبھی نہ دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس رات کو فتویٰ رہتا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے متعلق مطالعہ فرمائیں یا کچھ غور و فکر کریں، بلکہ اسے پڑھنے کے فوراً بعد اس کا جواب تحریر فرما دیا کرتے تھے۔ اور سیّدنا غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیّدنا امام شافعی اور حضرت سیّدنا امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ عراق کے علماء کے سامنے پیش کئے جاتے تو انہیں حضور غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ کے درست جوابات دینے سے اتنا تعجب نہیں ہوتا تھا، جس قدر کہ اس بات سے تعجب ہوتا تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اتنا جلد جوابات عطا فرما دیا کرتے تھے۔ (بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار، ذکر علمہ۔۔۔الخ، ص225)

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے ایسے مقرب ترین برگزیدہ، جلیل القدر، عظیم المرتبت، ولی ہیں جن کا مبارک اسم گرامی زبان پر آتے ہی جبین نیاز عقیدت و احترام کی دہلیز پر جھک جاتی ہے، عقیدت مندوں کے دل فرحت و انبساط سے جھوم اٹھتے ہیں، قادری ترانے لبوں پہ جاری ہو جاتے ہیں، مایوس دلوں کی دنیا آباد ہونے لگتی ہے، ٹوٹے ہوئے دلوں کے آبگینے جڑنے لگتے ہیں، امیدوں کی قندیلیں روشن ہونے لگتی ہیں۔

تیسرا واقعہ: شیخ طلحہ بن مظفر رحمۃ اللہ علیہ سرکارِ غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ ایمان افروز واقعہ بیان فرماتے ہیں: قیامِ بغداد کے دوران ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کو بیس دنوں تک کھانے کے لیے کوئی مباح چیز میسّر نہ آئی، آپ ایوانِ کسریٰ کے کھنڈرات کی جانب چل پڑے کہ شاید وہاں کوئی مباح چیز مل جائے۔

جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ستّر اولیاء اللہ مباح چیز کی تلاش میں پہلے ہی سے وہاں موجود ہیں آپ نے اُن کے راستے میں مزاحم ہونا مناسب نہیں سمجھا اور بغیر کچھ تلاش کیے، اپنی بھوک پر صبر کرتے ہوئے بغداد کی جانب چل پڑے۔ راستے میں جیلان کے ایک شخص سے ملاقات ہوئی، دورانِ گفتگو معلوم ہوا کہ وہ آپ ہی کو تلاش کر رہا ہے۔

اُس نے نام و پتہ دریافت کرنے کے بعد اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا اور آپ کو سونے کے چند سکے دے کر کہا: یہ سکے

جیلان سے آپ کی والدۂ محترمہ نے آپ کے اخراجات کے لیے بھیجے ہیں، میں کئی دنوں سے آپ کو تلاش کر رہا تھا، خدا کا شکر ہے کہ آج میں بارِ امانت سے سبک دوش ہوا۔

رقم ملنے کے بعد آپ نے اللہ عز و جل کی حمد بیان کی، اُس میں سے چند سکے اپنے لیے مختص کیے اور ما بقی رقم لے کر، تیز قدموں کے ساتھ ایوانِ کسریٰ کے کھنڈرات کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر، اُن اللہ والوں کو جمع کیا اور اُن کی خدمتِ اقدس میں نذرانہ پیش کیا۔

اُنھوں نے دریافت کیا کہ یہ رقم کہاں سے لائے؟ آپ نے فرمایا: بالکل حلال و طیب ہے، میری والدۂ محترمہ نے جیلان سے میرے لیے بھیجی ہے؛ مگر میں نے مناسب نہ سمجھا کہ تنہا کھاؤں، اِس لیے آپ حضرات کی بارگاہ میں لے آیا؛ تاکہ آپ لوگ بھی اپنے کھانے کا بندوبست کر سکیں۔ یہ سن کر انھوں نے وہ رقم قبول فرمالی۔

بعدہٗ سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ بغداد تشریف لائے، اپنے پاس موجود اُن چند سکوں سے اپنے لیے کھانا خریدا؛ مگر اُسے بھی تنہا کھانا گوارا نہ کیا، فقرا و مساکین کی بھوک آپ کو تڑپانے لگی، فوراً اعلان کیا کہ جو شخص بھی بھوکا ہے، میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے۔

اُس وقت آپ کے قرب و جوار میں ایسے بہت سے فقرا و مساکین تھے جو کئی کئی دنوں کے فاقے سے تھے؛ مگر غیرت و حمیت نے اُنھیں لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے روک رہی تھی، اُنھوں نے جب آپ کی صدائے دل نواز سنی تو فوراً لبیک کہتے ہوئے لپکے اور آپ کے ساتھ کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا۔

آپ کی پوری زندگی کا ہر لمحہ اطاعت خدا، اتباع رسول، سیرتِ سرورِ کونین ﷺ کی پیروی میں گزرتا تھا، عبادت کا عالم یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے چالیس سال تک عشاء کی وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ آپ فاقہ کشی کی حالت میں سخت ترین مجاہدہ فرماتے۔

امام الاولیاء سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنے اعلیٰ و ارفع مقام و مرتبہ کے مطابق عبادات و ریاضت اور مجاہدات کے بھی منصف جلیل پر متمکن اور عظیم اخلاق و کردار، نورانی عادات و اطوار کے حامل تھے۔

■

غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ

سید عامر حسین

حضرت شیخ استقامت کے پہاڑ تھے، اتباع کامل، علم راسخ اور تائید غیبی نے آپ کو اس مقام پر پہنچادیا تھا کہ حق و باطل، نور و ظلمت، الہام صحیح اور کید شیطانی میں پورا امتیاز ہو گیا تھا، آپ یہ حقیقت پوری طرح واشگاف ہو چلی تھی شریعت محمدی کے احکام اور حلال و حرام میں قیامت تک کے لئے تغیر و تبدل کا امکان نہیں، جو اس کی خلاف دعوی کرے وہ شیطان ہے، ارشاد فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے، اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی، اس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا کہ اے عبد القادر! میں تمہارا رب ہوں، میں نے تمہارے لئے سب محرمات حلال کر دیئے ہیں، میں نے کہا: دور ہو مردود! یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی، اور وہ صورت دھواں بن گئی، اور ایک آواز آئی کہ عبد القادر! خدا نے تم کو تمہارے علم و تفقہ کی وجہ سے بچالیا، ورنہ اس طرح میں ستر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں، میں نے کہا کہ: اللہ کی مہربانی ہے، کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ کیسے سمجھے کہ شیطان ہے، فرمایا کہ اس کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمہارے لئے حلال کر دیا (الطبقات الکبری للشعرانی: 1/126، 127، بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت: 203)

کسی ولی سے کوئی خرقِ عادت امر ظاہر ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں پوری امت اولیاء کے کرامتوں کو مانتی ہے، کرامات اولیاء حق، اولیاء سے صادر ہونے والی کرامات حق ہیں، کرامات کے باب میں آپؒ کو جو فوقیت حاصل ہے وہ کسی اور کو شاذ ہی حاصل ہو، شیخ عزالدین عبد السلامؒ اور علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جتنی کرامات آپؒ کی مشہور ہوئیں کسی اور کی اتنی تواتر سے مشہور نہیں ہوئیں۔

آپؒ امراء سے بے نیاز رہتے تھے اور بادشاہوں کے ہدایہ تحائف وغیرہ قبول کرنے سے احتراز کرتے تھے، ایک وقت خلیفہ وقت نے حاضر ہو کر اشرفیوں کا ذخیرہ پیش کیا آپؒ نے حسب معمول انکار کیا ادھر سے اصرار شدید ہوا، آپؒ نے اس ذخیرہ سے دو اشرفیاں لیکر آپس میں رگڑا تو اس سے خون بہنے لگا، پھر آپؒ نے خلیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اللہ سے شرم نہیں آتی کہ انسانوں کا خون بہاتے ہو، اور ان کا مال کھاتے ہو اور اس مال کو جمع کر کے میرے پاس لاتے ہو، خلیفہ یہ منظر دیکھ کر بیہوش ہو گیا۔

ابو محمد اخفشؒ کہتے ہیں میں سخت سردی میں آپؒ کے یہاں جایا کرتا تھا اور آپؒ پر صرف ایک چادر ہوا کرتی تھی پھر بھی آپؒ کے جسم سے پسینہ ٹپکتا رہتا اور آپؒ کے ارد گرد شاگرد پنکھا ہلاتے رہتے، بچپن سے ہی آپ سے کرامات کا ظہور ہونے لگا تھا والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ ایّام رضاعت میں آپؒ احکام شریعت کا اتنا احترام کرتے تھے کہ رمضان بھر دن میں دودھ نہیں پیتے تھے، ایک مرتبہ 29 شعبان کو ابر کی

وجہ سے چاند دکھائی نہ دیا تو دوسرے دن آپ نے دودھ نہ پیا تحقیق کے بعد پتا چلا کہ وہ دن رمضان کا تھا۔

آپ کا نام عبدالقادر، کنیت ابو محمد، لقب محی الدین، پیدائش مقام جیلان ہے آپ کی ولادت 471 ھ مطابق 1078ء کو ہوئی جن کا سلسلۂ نسب والد صاحب کی طرف سے سیدنا حضرت امام حسنؓ تک اور والدۂ محترمہ کی طرف سے سیدنا امام حسینؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ولادت کے تھوڑی ہی مدت کے بعد والد محترم دنیائے سے رخصت ہوگئے، آپ کی پرورش وپرداخت آپ کے نانا محترم سید عبد اللہ صومعی نے کی، یہی وجہ تھی کو بسا اوقات آپ "ابن الصومعی" کے نام سے مخاطب کیا جاتا۔

زمانۂ طالب علمی ہی سے حضرت شیخ مجاہدات وریاضات میں مصروف تھے، آپؒ خود فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ مجھ پر وہ بھی گزرا ہے کہ مجھ پر فاقوں کی کثرت ہوا کرتی تھی، ایک مرتبہ بڑا لمبا فاقہ ہوا تقریباً بیس روز تک کچھ کھانے کی چیز دستیاب نہیں ہوئی اور میں بھوک کی شدت کو برداشت نہ کرسکا، اب میں گری پڑی چیزوں کی تلاش میں نکل پڑا تلاش کرتے کرتے میں ایک بازار پر پہنچا جہاں پہنچ کر دیکھا کہ مجھ سے پہلے کئی محتاج بازار میں موجود ہیں تو میں ان کے لئے بازار کو چھوڑ کر واپس چلا آیا اور ایک مسجد میں آکر بیٹھ گیا اور ایسے محسوس ہونے لگا کہ میں موت سے مصافحہ کررہا ہوں، اچانک ایک آدمی اپنے ہاتھ میں روٹی اور بھنا ہوا گوشت لئے ہوئے مسجد میں داخل ہوا اور ایک کنارہ پر بیٹھ کر کھانے لگا وہ لقمہ منہ تک اٹھایا ہی تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑی اس نے مجھ کو بھی کھانے پر بلایا اولاً تو میں نے انکار کیا مگر جب اس نے قسم دے کر بلایا تو میں پہنچ گیا اور کھانے میں شریک ہو گیا، دورانِ طعام اس نے گفتگو کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ کیا نام ہے؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ جب میں

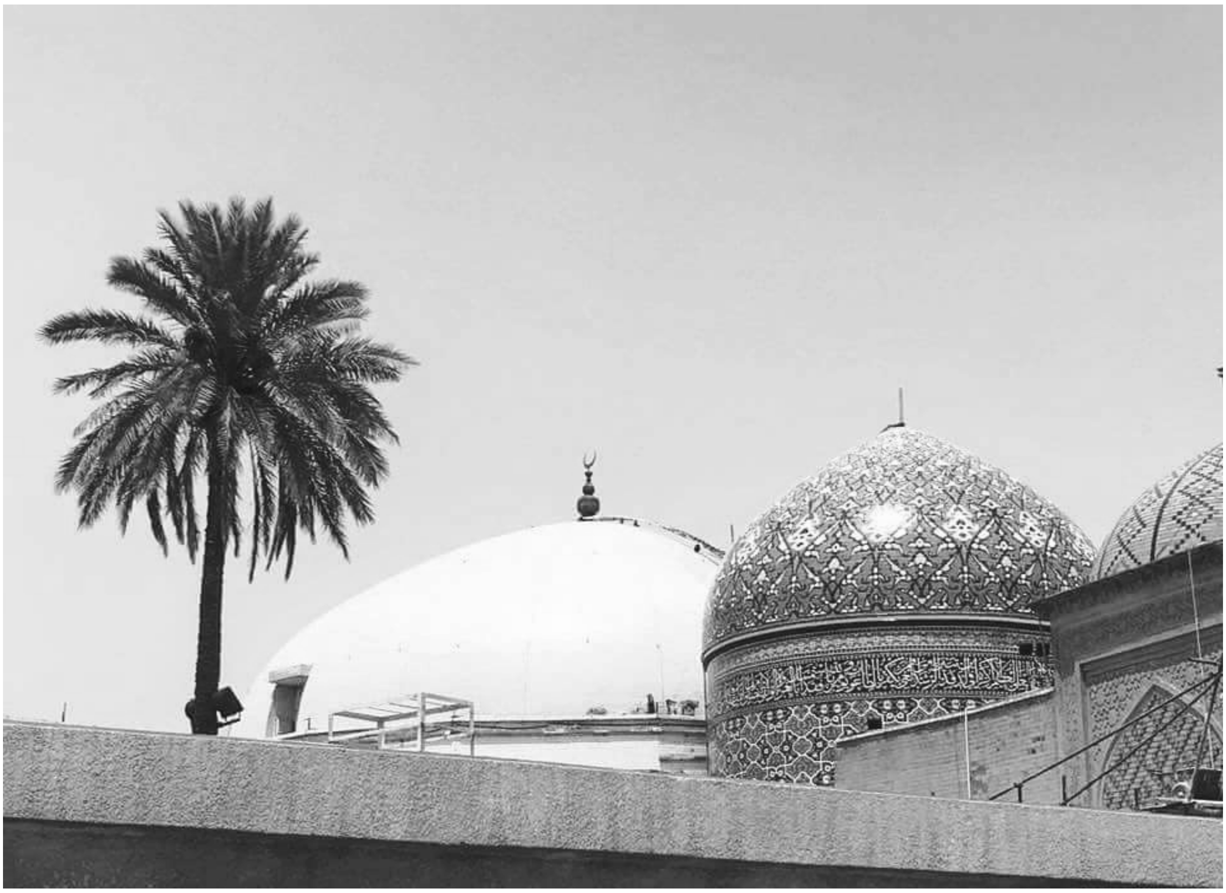

نے اپنا نام اور سکونت بتائی تو اس شخص کے حیرت کی انتہاء نہ رہی، پھر اس شخص نے کہا کہ میں تم کو کئی دنوں سے تلاش کر رہا ہوں تمہارا کوئی پتہ ہی نہیں چل رہا تھا، حتٰی کے میرا خرچ بھی ختم ہو گیا اور میں خود تین دن سے بھوکا ہوں بھوک کی وجہ سے میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ میرے لئے مردار بھی حلال ہو چکا تھا میرے پاس سوائے تمہارے مال کے اور کچھ نہ تھا اور آج میں نے چوتھے روز تمہارے مال سے یہ خریدا ہے تاکہ پیٹ میں کچھ پڑ جائے، اب تک تو میں یہ سمجھ رہا تھا کہ تم میرے مہمان ہو لیکن اب سمجھ میں آیا کہ میں تمہارا مہمان ہوں، یہ تمہارا مال ہے جو تمہاری والدہ نے تم کو پہنچانے کیلئے دیا ہے، آپؒ نے اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتے ہوئے اس کو بھی کچھ مال دیا، اور انہیں رخصت کیا، یہی وہ مجاہدات تھے جس کی وجہ سے حضرت شیخؒ کو آگے چل کر اتنا اونچا مرتبہ نصیب ہوا

تزکیۂ نفس ان تین فرائضِ منصبی میں سے ایک ہے جس کی بناء پر نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی، تزکیہ کے معنی ظاہری و باطنی نجاسات سے پاک کرنا ہے ظاہری نجاسات سے تو عام مسلمان واقف ہیں اور باطنی نجاسات مثلاً کفر و شرک، غیر اللہ پر اعتمادِ کلی اور اعتقاداتِ فاسدہ، تکبر، حسد، بغض اور حبِ دنیا۔

فطری اور عملی طور پر کسی فن کے حاصل ہو جانے سے اس کا استعمال اور کمال حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ کسی مربی کے زیرِ تربیت اس کی مشق کر کے عادت نہ ڈالے، سلوک و تصوف کی منزل میں کسی شیخِ کامل کی تربیت کا یہ مقام ہے کہ قرآن و سنت میں جن احکام کو عملی طور پر بتلایا گیا ہے اس کو عملی طور پر کرنے کی عادت ڈالی جائے، آپؒ نے علم باطنی کی تکمیل شیخ حمادؒ اور ابو سعیدؒ کے زیرِ تربیت کی اس کے بعد آپؒ نے اس باب میں وہ نمایاں خدمات انجام دیں جن کا احاطہ دشوار ہے۔

آپؒ میانہ قد، نحیف البدن، کشادہ سینہ، پتلے ہاتھ

پاؤں، لمبی داڑھی اور اونچی ناک والے تھے، آپ ہمیشہ صوفیانہ اور زاہدانہ لباس زیب تن کئے ہوئے رہتے تھے، ظاہری سیرت کے ساتھ ساتھ باطنی خوبیوں سے بھی آراستہ تھے نیک خو، خوش مزاج، کریم النفس، وسیع الاخلاق، متواضع، رقیق القلب اور مستجاب الدعوات تھے، جب کسی کو آزردہ خاطر دیکھتے تو اس کو مسرور کردیتے اور اس کی ضرورت پوری فرمادیتے۔

آپ کے علوم مرتبت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حفاظؒ حدیث نے آپؒ کی سوانح لکھی، شیخ الاسلام علامہ ذھبیؒ (متوفی 748ھ) نے آپ کی توصیف میں یوں لکھا ہے: الشیخ الامام، العالم، الزاہد، العارف، القدوہ، شیخ الاسلام، علم الاولیاء، ان کے بعد حافظ بن حجرؒ (متوفی 852ھ) نے بھی درر کامنہ میں توصیفی کلمات لکھے ہیں، اسی طرح علامہ نوویؒ، ابن رجب حنبلیؒ، ابن کثیرؒ، حافظ بن عمادؒ اور حافظ سمعانیؒ نے بھی آپؒ کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے اور آپؒ کی خدمات کا اعتراف ببانگ دہل کیا ہے۔

آپؒ اپنے تعلیمی مرحلہ کی تکمیل کے بعد بغداد ہی کے ایک مدرسہ میں تدریسی خدمات پر فائز ہوئے، یہیں سے آپؒ کے علمی وروحانی فیضان کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، آپؒ نے یہاں تدریس کے ساتھ افتاء کا کام بھی شروع کیا، آپؒ کے کمالِ علم کا یہ عالم تھا کہ دور دور سے استفتاء آتے اور آپ ان کا برجستہ جواب لکھ دیا کرتے تھے، آپؒ کی وسعت نظری اور تبحر علمی کی شاہد آپؒ کی کتب فتوح الغیب و غنیۃ الطالبین وغیرہ ہیں۔

مدرسہ میں ایک سبق تفسیر کا، ایک فقہ کا اور ایک اختلافاتِ ائمہ اور ان کے دلائل کا پڑھاتے تھے، صبح شام تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہب ائمہ اصول فقہ اور نحو کے اسباق ہوتے، ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم ہوتی، اس کے علاوہ افتاء کی

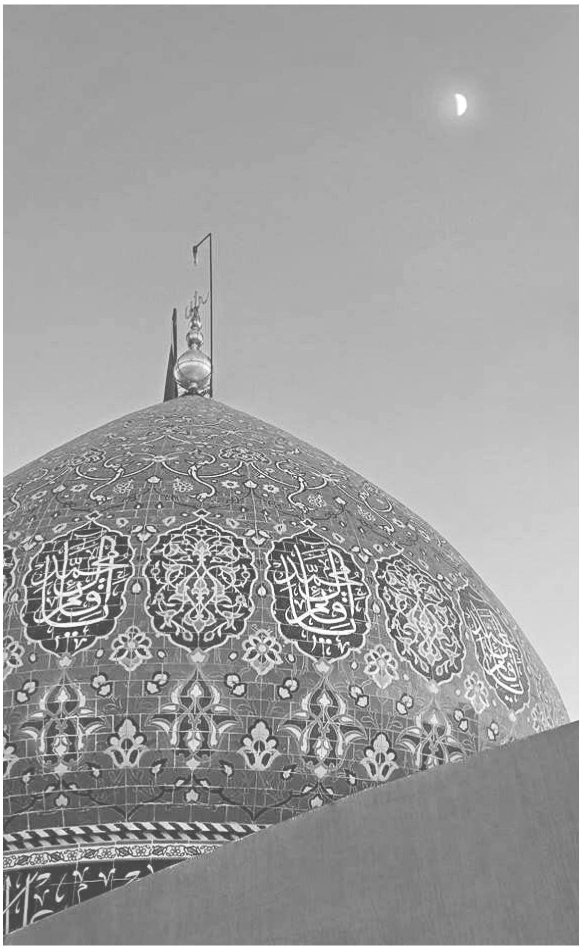

مشغولیت تھی بالعموم مذہب شافعی اور مذہب حنبلی کے مطابق فتوی دیتے، علماء عراق آپ کے فتاوی سے بڑے متعجب ہوتے اور بڑی تعریف کرتے

آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے کسی نے 8 اور کسی نے 9 اور کسی نے 10 کہا ہے مشہور قول گیارہ تاریخ کا ہے، مہینہ ربیع الآخر متعین ہے اور 561ھ ہے گویا کل عمر 90/ سال ہوئی۔

آپؒ کے مشہور تلامذہ میں ابن نجارؒ، علامہ سمعانیؒ، علامہ بن عمر علی القرشیؒ، حافظ عبد الغنیؒ، موفق الدین بن قدامہؒ، عبدالرزاق ابن موسیٰؒ، شیخ علی ابن ادریسؒ اور اس کے علاوہ کئی مشہور شخصیات ہیں۔

■

سلسلہ قادریہ کے بانی

قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

محمد سمیع اللہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بہت بڑے عالم باعمل اور ولی اللہ گزرے ہیں۔ مسلمانوں کو جہاں ان سے بڑی عقیدت ہے۔ انسانی و بشری معاشرہ اپنی بقاء اور امن و استقرار کے لئے بہت ساری اہم اور بنیادی چیزوں کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ معدوم ہو جائیں تو معاشرہ نامکمل، ناقص اور ادھورا رہ جاتا ہے، قدریں ختم ہو جاتی ہیں، اخلاق اور اچھی روایات مٹ جاتی ہیں اور وہ انسانوں کا گروہ یا مجموعہ تو نظر آتا ہے لیکن روح پرواز کر چکی ہوتی ہے۔ آپ ایسے معاشرے کو نہ ایک اچھا اور مثالی معاشرہ کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی نمونہ اخلاق کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔

اگر تاریخ کے اوراق کو پلٹا جائے تو یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ مصلح کامل آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بہت بڑا کارنامہ انجام دیا وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب معاشرے کی غلط روایات کو توڑا اور قدیم فکری و علمی بے راہ روی کو ختم کرتے ہوئے انسانیت کے حقوق کی بازیابی کی جنگ لڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طرف فسادات کا قلع قمع کرتے ہوئے بے انصافی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور دوسری طرف اخلاقی گراوٹ کو اخلاق حسنہ کی ضیا بخشی اور لوگوں کو اللہ کی توحید و وحدانیت کے طرف لائے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عظیم اور مثالی معاشرے کا قیام عمل میں لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تاریخ اسلام کی اگلی چار صدیاں اضطرابات و سانحات سے گزریں۔ حضور غوث اعظم قدس سرہ العزیز نے اس عظیم نبوی مشن کو جہاں تقویت بخشی وہاں اس کا اپنے زمانہ میں احیاء بھی فرمایا۔ قابل غور بات ہے کہ مرور وقت کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں مختلف اعلیٰ و اخلاقی قدریں زوال کا شکار ہوتی ہیں۔ برائیاں اور خرابیاں مختلف سطحوں پر

نومبر
2022ء
ماہنامہ اظہار کراچی

جنم لیتی ہیں۔ عدل و انصاف مفقود ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ہوس و مادیت عام ہو جاتی ہے اور لوگوں کا مطمع نظر نفسانی شہوات کے ارد گرد گھومتا ہے۔ یہ ہی حال پانچویں صدی ہجری کے آخر اور چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں تھا۔ اسی ابتری و بدحالی کی وجہ سے کئی فتنے رونما ہو چکے تھے۔ جس میں فتنہ اعتزال عباسی خلیفہ واثق باللہ اور فتنہ خلق قرآن خلیفہ مامون کے دور میں بطور آزمائش آچکا تھا۔

لیکن تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے ان تمام ابتریوں اور زبوں حالی کی کیفیات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور معاشرہ کی اصلاح میں بنیادی حیثیت کے حامل 'تزکیہ نفس' کو فروغ دیا۔ آپ کی ذات مبارکہ کے فیوضات و تعلیمات کی روشنی میں نہ صرف تصوف کو عرب و عجم میں بے مثال تقویت و وسعت ملی بلکہ اصلاح معاشرہ وانسانیت کے دائرہ نفوذ کو ایسی فقیدالمثال توسیع دی کہ تاریخ بھی ان کے کارناموں پر فخر کرتی ہے۔ آپ ﷺ کے فیوض و انوار کی وجہ سے ایسے نفوس قدسیہ اور سرخیل میدان عمل آئے جنہوں نے آپ کی تعلیمات کی روشنی میں اصلاح معاشرہ کو اپنا مطمع نظر بنایا۔

وہاں ان کی تعلیمات سے یکسر بیگانہ ہیں۔ان کی ذات میں بہت غلو کرتے ہیں۔ اور بہت سے غیر اسلامی عقائد واعمال ان کی ذات سے وابستہ کر رکھے ہیں۔ جبکہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذاتی تصنیفات کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عالم باعمل اور عقیدہ اہل السنۃ پر کاربند نظر آتے ہیں بلکہ آپ خود اپنے عقیدہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں اعتقادنا اعتقاد السلف الصالح والصحابۃ ہمارا عقیدہ وہی ہے جو صحابہ کرام اور سلف صالحین کا ہے اور شیخ عبد القادر دوسرں کو بھی سلف صالحین کا عقیدہ مذہب اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ حاضر دماغ، شرعی اصولوں کی تکریم کرنے والے، شریعت و دین کی دعوت دینے والے اور شرعی احکامات کی مخالفت سے نفرت کرنے والے تھے۔ آپ نے اپنی سیرت و کردار کے ذریعے لوگوں

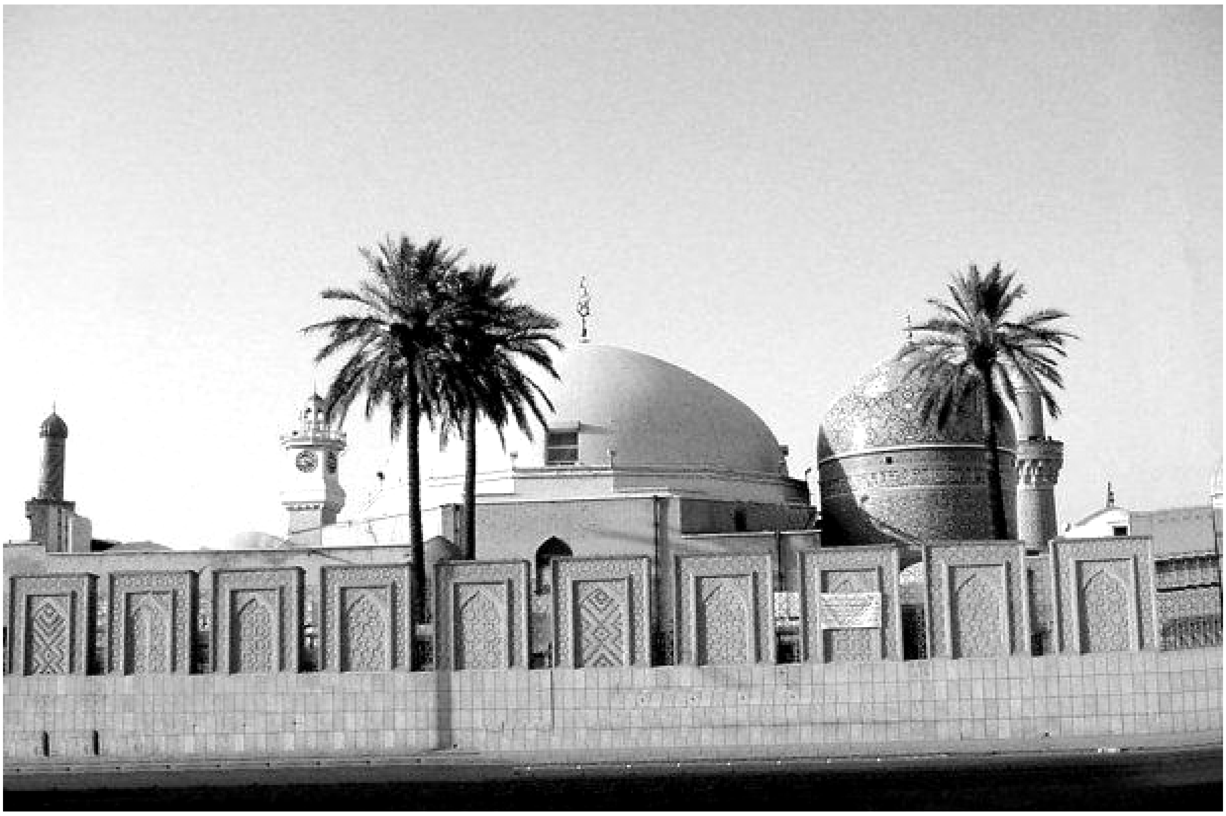

کو شریعت، عبادت، مجاہدہ کے ذریعے عمل کی طرف راغب فرمایا۔ آپ کے بارے میں عمر بن مسعود بزار نے ذکر کیا ہے کہ:

''میری آنکھوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی سے بڑھ کر علوم حقائق کا کسی کو غواص اور عالم نہیں دیکھا۔ آپ نے ہر اس شخص کا رد کیا جس نے مذہب سلف کی مخالفت کی کیونکہ آپ کتاب، سنت اور سلف صالحین کے طریقے کو سختی کے ساتھ تھامنے والے تھے''۔

علوم شریعت کے زیور سے آراستہ ہونے کے بعد حضور غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ لطائف باطنیہ تک پہنچے تو آپ نے تمام مخلوق کو چھوڑ کر حق کی طرف ہجرت کی۔ آپ نے اپنے خالق حقیقی کی طرف سفر کے لئے حق و معرفت پر مبنی زاد سفر تیار کیا۔ آپ پر کائنات کے چھپے راز آشکار ہو گئے۔ آپ کی مجالس اس قدر بابرکت ہوتیں کہ تجلیات الٰہیہ کے ظہور کا اکثر و بیشتر نظارہ ہوتا۔ آپ اپنے خطبات کو قرآنی نص کی روشنی میں بیان کرتے اور مخلوق کو خدا تعالیٰ کی طرف بلاتے۔

عاشق زار من بیا تا بر خود نشانمت
از من اگر تو سرکشی موئے کشاں کشانمت

1. اے میرے عاشق زار! میرے پاس آتا کہ تجھ کو اپنے سامنے بٹھاؤں، مجھ سے اگر تو نے سرکشی کی تو بھی میں تجھ کو بالوں سے پکڑ کر کھینچ لوں گا۔

عاشق زار من بیا تا بہ کرشمہ دمبدم
تیر دگر زنم ترا خون جگر خورانمت

2. اے میرے عاشق زار! میرے پاس، آتا کہ ہر لمحہ اپنی اداؤں سے نیا تیر تجھ پر پھینکوں، اور تجھ کو خون جگر پلاؤں (مطلب یہ ہے کہ عشق کے امتحان سے نہ گھبرا، جفائے معشوق سہنا تو عاشق صادق کے لئے ایک آزمائش ہے)۔

عاشق زار من بیا بر در این و آں مرو
بر در من نشیں کہ من از ہمہ وا رہانمت

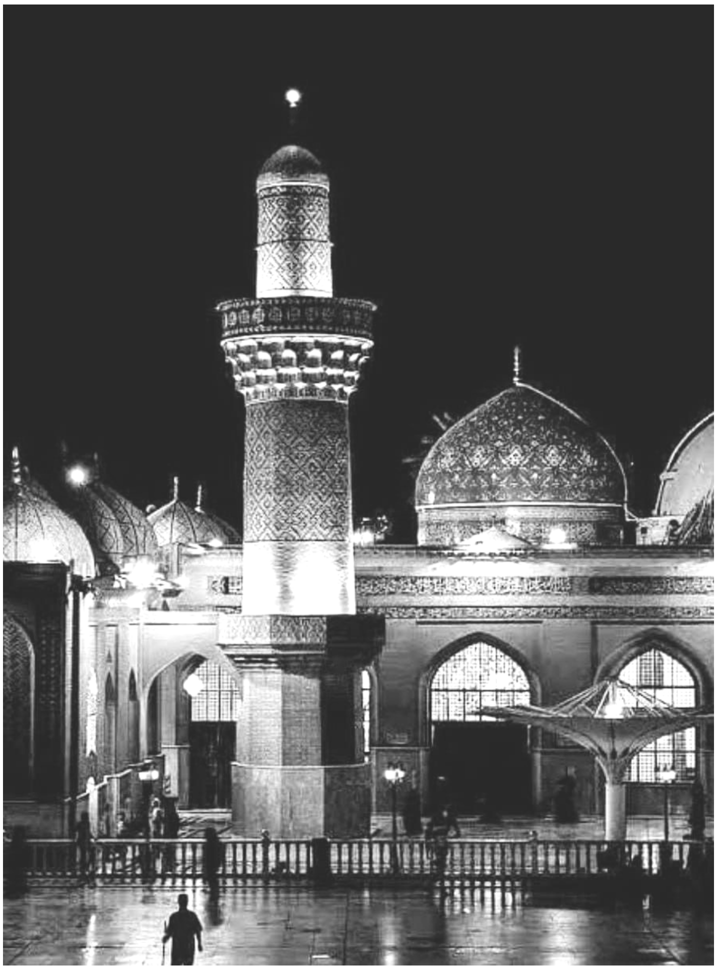

3. اے میرے عاشق زار! میرے پاس آ، غیروں کے پاس نہ جا، میرے در پر بیٹھا رہ تا کہ میں تجھ کو سب سے بے نیاز کر دوں۔

عاشق زار من بیا بر در بارگاہ من
حد تو نیست ایں ولے من بہ کرم بخوانمت

4. اے میرے عاشق زار! میرے پاس آ، میری بارگاہ میں آجا، گرچہ یہاں تک پہنچنا تیری حد اوقات سے باہر ہے، لیکن پھر بھی میں تجھ کو اپنے کرم سے یہاں تک بلا رہا ہوں (یعنی ایک مشت خاک کی اس حریم قدس میں گذر کہاں؟ یہ اس کا کرم ہے کہ محبین صادقین کو اپنا قرب عطا فرماتا ہے)۔

عاشق زار من بیا غم مخوری چو محی گفت
دست و زباں ز دست غم آیم و وا رہانمت

5. اے میرے عاشق زار! غم نہ کر، جب محی نے کہہ دیا تیرے ہاتھ اور تیری زبان جو غم کے ہاتھوں گرفتار ہے اس سے میں آکر تجھے چھٹکارا دلاؤں گا۔

آپ سے تقویٰ سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا تقویٰ کی مختلف اقسام ہیں:

تقویٰ عام۔

تقویٰ خاص۔

تقویٰ خاص الخاص۔

تقویٰ عامہ سے مراد مخلوق کے ذریعے جو شرک ہوتا ہے اس کو ترک کرنا ہے۔ تقویٰ خاص سے مراد خواہشاتِ نفسانی اور گناہوں کو ترک کرنا ہے یعنی تمام تر احوال میں نفس کی مخالفت کرنا ہے۔ خاص الخاص کے تقویٰ سے مراد اشیاء کی چاہت کو ترک کرنا، نوافل عبادت کی پابندی اور تمام تر احکامات میں احکام فرائض کا اہتمام کرنا ہے۔

پھر فرمایا: تقویٰ کا پہلا راستہ اور اس کی ابتداء بندوں کے حقوق کو ظلماً کھانے سے خود کو خلاصی دلانا ہے یعنی لوگوں کے حقوق میں ظلم نہ کیا جائے۔ پھر صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے خلاصی ہے۔ پھر قلبی ذنوب اور خطاؤں سے خلاصی ہے جو کہ تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

قلبی ذنوب و خطاؤں سے مراد نفاق، ریائ، غرور، تکبر، حرص، لالچ، جاہ منصب اور سلطنت کی طلب اور دوسروں پر فوقیت حاصل کرنے کی خواہش ہے۔ یہ تمام تر گناہ دل سے پیدا ہوتے ہیں اور اعضاء سے سرزد ہوتے ہیں۔

■

دین کو زندہ کرنے والے
حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی

مہناز غنی

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ مؤرخین آپؒ کو 'محی الدّین' یعنی 'دین کو زندہ کرنے والے' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔آپ یکتائے زمانہ ولی کامل تھے۔آپ ولیوں کے امام تھے۔آپ محض صاحب کرامت بزرگ نہیں تھے بلکہ اپنے زمانے کے متقی پرہیزگار عالم باعمل اور صوفی باصفا تھے۔ ظاہری و باطنی علوم کے ماہر تھے۔ مخلوق خدا آپ کی مجالس میں بیٹھ کر اپنی روحانی غذا حاصل کرتی تھی۔آپ کے وعظ مخلوق خدا کے قلوب کو جلا بخشتے تھے۔آپ نے فرمایا: 'کسی عمل پر مغرور مت ہو کیونکہ اعمال کا اعتبار خاتمے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرو کہ وہ تمہارا خاتمہ بخیر فرمائے اور اس عمل پر تمہاری روح قبض فرمائے جو اس کو سب سے زیادہ پیارا ہو'۔آپ علیہ الرحمہ ہمیشہ سچ کی تلقین فرماتے تھے۔آپ نہ صرف تلقین فرماتے تھے بلکہ خود بھی اسی پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ علیہ الرحمہ نے بچپن میں اپنے عمل سے بھی سچ بولنے کی ایک بہت بڑی مثال قائم کی تھی جس کی بدولت ڈاکوؤں کا ایک بہت بڑا گروہ تائب ہو کر نیک راستے پر گامزن ہو گیا تھا۔ سچ کے متعلق آپ نے فرمایا: 'تم پر افسوس ہے کہ لوگوں کو سچ بولنے کا حکم دیتے ہو اور خود جھوٹ بولتے ہو۔ان کو توحید کا سبق دیتے ہو اور خود مشرک

ماہنامہ اظہار کراچی

بنے ہوئے ہو، اس کو اخلاص کی تلقین کرتے ہو اور خود ریاکار منافق بنے ہوئے ہو، ان کو گناہوں سے بچنے کا حکم دیتے ہو اور خود ان کے مرتکب ہوتے ہو، تمہاری آنکھوں سے شرم اٹھ گئی ہے، اگر تمہارے پاس ایمان ہوتا تو تمہیں ضرور شرم آتی'۔ آپ علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کو پُر امید رہنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد فرمایا: 'صاحبو! اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو کہ وہ قریب ہے۔ ناامید مت ہو کیونکہ صانع تو اللہ تعالیٰ ہے اور کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی صورت پیدا فرمادے۔ بلا و آزمائش سے مت بھاگو کہ وہ بلا جو صبر کے ساتھ ہو، ہر قسم کی بھلائی کی بنیاد ہے۔ نبوت، رسالت، ولایت، معرفت اور محبت سب کی بنیاد بلا رہی ہے۔ پس جب تم نے بلا پر صبر نہیں کیا تو تمہارے لیے بنیاد نہ رہی۔ اور بنیاد کے بغیر تعمیر میں کوئی پائیداری نہیں'۔

حضرت شیخ سیّدنا عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ بچپن میں ایک دفعہ مجھے جنگل میں جانے کا اتفاق ہوا اور میں ایک بیل کے پیچھے کھڑا ہو کر عام کسانوں کی طرح ہل چلانے لگا' میری حیرانگی کی اِنتہا نہ رہی جب اُس بیل نے مجھ سے کلام کیا کہ تم کاشتکاری کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں اِس کا حکم بھی نہیں دیا۔ فرماتے ہیں 'میں خوف کی حالت میں گھر آیا اور گھر کی چھت پر چڑھ گیا تو میں نے حاجیوں کو میدانِ عرفات میں دیکھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی آنکھوں کے آگے سے تمام حجابات ہٹا دیئے۔ فرماتے ہیں' میں اپنی والدہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے اِجازت دیجئے تاکہ میں بغداد شریف جا کر علماء کرام سے علم' مشائخ طریقت سے طریقت کا فیض حاصل کروں۔ والدہ محترمہ کو ہیں نے دونوں واقعات کے بارے میں عرض کیا فرماتے ہیں اُس وقت میری عمر 18 سال تھی۔

صبح و شام تفسیر، فقہ، مذاہب ائمہ، اصولِ فقہ اور نحو کے اسباق ہوتے، آپ علمی وسعت، رسوخ اور دینی سمجھ بوجھ میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپؒ حنبلی فقہ کے پیروکار تھے اور عموماً اُسی کے مطابق فتویٰ دیا کرتے۔ آپؒ کی فقہی ذہانت سے

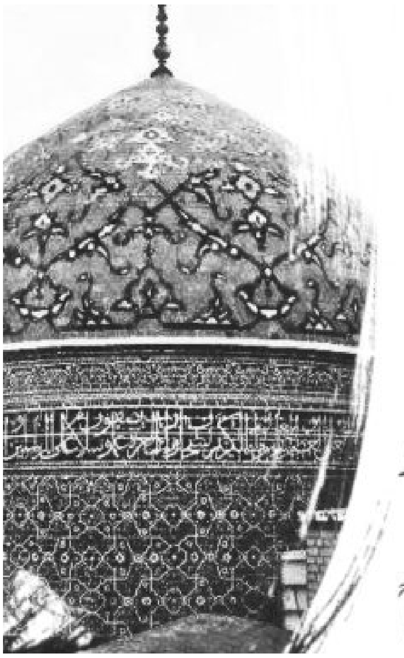

کبھی کسی ایسے شخص پر ظلم مت کرو جس کے پاس فریاد کیلئے اللہ کے سواء کوئی نہ ہو

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

متعلق کئی واقعات مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ علمائے کرام کے پاس ایک ایسا سوال آیا، جس نے سب کو چکرا دیا۔ سوال یہ تھا کہ 'ایک شخص نے قسم کھائی ہے کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا، جس میں اُس کی عبادت کے وقت کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ اور اگر اُس نے قسم پوری نہیں کی، تو اُس کی

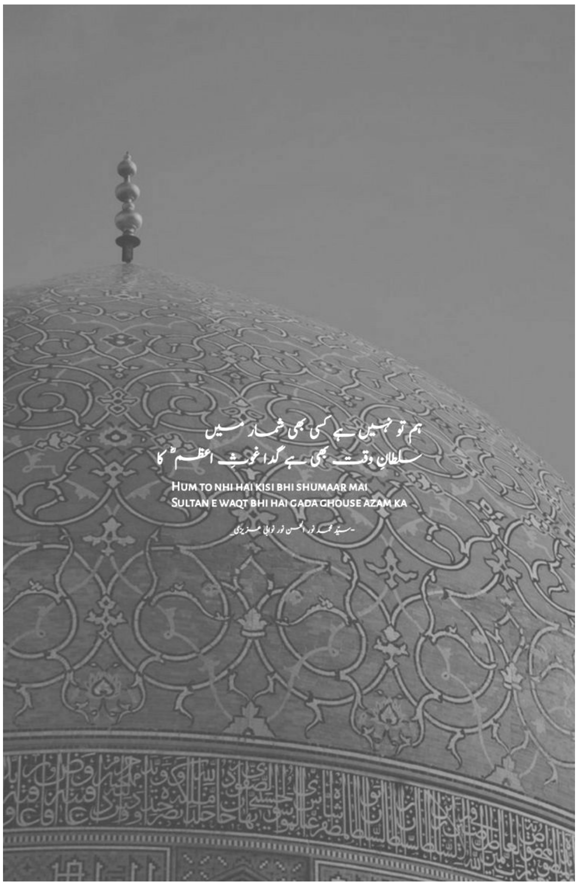

بیوی کو تین طلاق۔' علماء حیران تھے کہ اُسے ایسی کون سی عبادت بتائی جائے، جسے اُس وقت روئے زمین پر کوئی دوسرا شخص نہ کر رہا ہو۔ جب یہ سوال آپؒ کے پاس آیا، تو آپؒ نے فرمایا، 'اُس شخص کے لیے 'مطاف' خالی کروا دیا جائے اور وہ تنہا خانہ کعبہ کا طواف کر لے۔'

آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا: 'نفس کو خواہشات اور لذتوں سے باز رکھو اور اس کو پاکیزہ کھانا کھلاؤ جو نجس نہ ہو، پاکیزہ تو حلال ہے اور حرام نجس ہے۔ اس کو حلال غذا دو تاکہ وہ تکبر نہ کرے، نہ اترائے اور نہ بے ادب بنے'۔ مزید فرمایا: 'نفس اور خواہش کا ساتھ مت دو، نہ اور دنیا اور آخر کے پیچھے پڑو۔ پس تم ایسا خزانہ پاؤ گے جو کبھی فنا نہیں ہوگا اور حق تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس وہ ہدایت آئے گی جس کے بعد گمراہی نہیں ہوگی'۔ غریبوں کی مدد کے متعلق فرمایا: 'اگر کسی چیز کے دینے کی طاقت ہو، خواہ کم ہو یا زیادہ، اپنے مال سے جو کچھ ہو سکے فقیروں کی غم خواری کرو۔ سائل کو واپس نہ کرو'۔ یعنی سائل کو واپس نہیں لوٹاؤ، تم سے جو کچھ ہو سکے، اسے دے دو۔ اسی طرح آپ نے علماء کو بھی نصیحت فرمائی: 'اے عالم! اگر تو دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اپنے علم

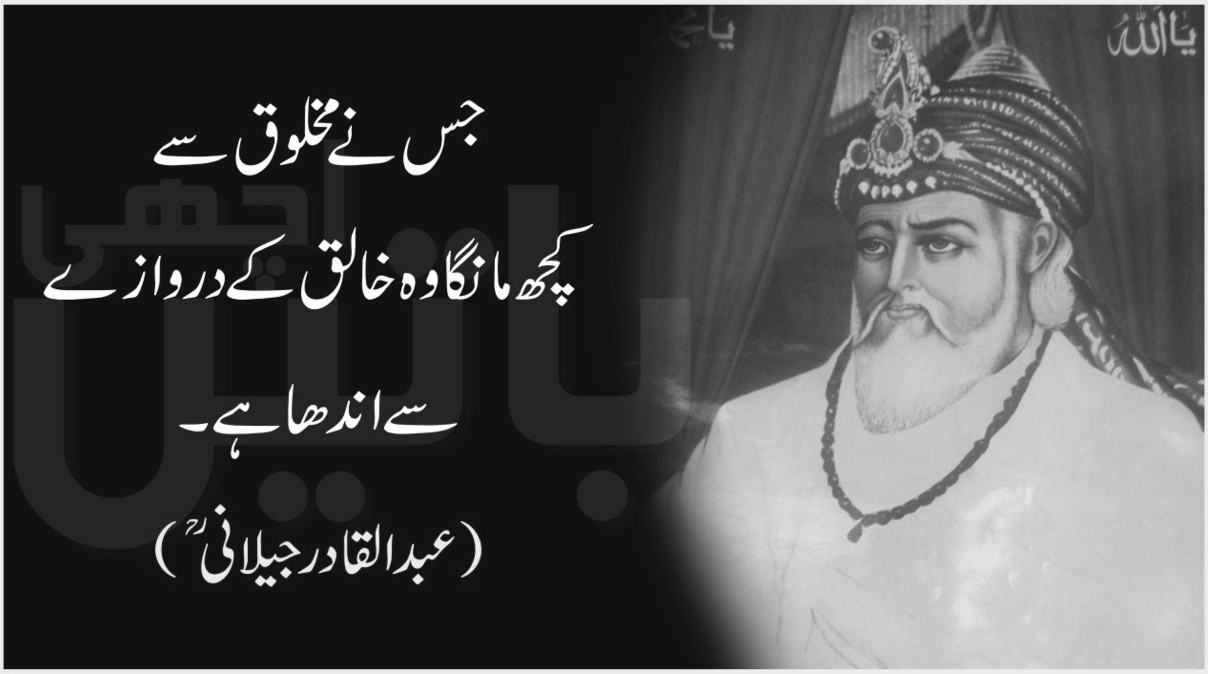

ماہنامہ اظہار کراچی

پر عمل کر اور لوگوں کو پڑھا، اور اے تونگر! اگر تو دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اپنے کچھ مال سے فقیروں کی غم خواری کر‘۔ آپ علیہ الرحمہ نے غیر ضروری کاموں سے بچنے کی تلقین کی۔ فرمایا: ’اے مسکین! ایسے معاملات میں گفتگو کرنا چھوڑ دو جو تمہیں نفع نہ دے، مذہب کے بارے میں تعصب مت کرو، اور ایسے کام میں مشغول ہو جاؤ جو تمہیں دنیا وآخرت میں فائدہ پہنچائے۔ اپنے قلب کو دنیا کے تفکرات سے خالی کرو کہ تم عنقریب اس سے رخصت ہو جاؤ گے۔ دنیا کی خوش عیشی کے طالب مت بنو کہ یہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی‘۔ آپ نے سستی اور کاہلی سے بچنے اور اپنے اعمال کو عمدہ بنانے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: ’صاحب زادے! کاہل مت بنو کیونکہ کاہل ہمیشہ محروم رہتا ہے اور پشیمانی کی رسی اس کی گردن میں ہوتی ہے۔ اپنے اعمال کو عمدہ بناؤ کہ حق تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت کی سخاوت فرمائے گا‘۔ آپ علیہ الرحمہ نے روزے کے متعلق فرمایا کہ صرف بھوک اور پیاس سے بچنے کا نام روزہ نہیں ہے۔ اس کا اصل مقصد تقویٰ حاصل کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا: ’صاحبو! روزہ دار بن کر دن بھر بھوکا پیاسا رہنا اور رات کو حرام پر افطار کرنا تمہیں کیا کارآمد ہو؟ دن کو تم روزے رکھتے ہو اور رات کو معصیتیں کرتے ہو۔ اے حرام خورو! تم دن میں اپنے نفسوں کو پانی پینے سے روکتے ہو اور جب افطار کا وقت آتا ہے تو مسلمانوں کے خون سے افطار کرتے ہو۔ (یعنی مسلمانوں پر ظلم کر کے حاصل کیے جانے والے مال سے افطاری کرتے ہو)۔۔۔۔۔ روزہ رکھ کر جب تم افطاری کرو تو تم اپنی افطاری میں سے کچھ فقراء کو بھی دیا کرو۔ تنہا مت کھایا کرو کیونکہ جو شخص تنہا کھاتا ہے اور دوسرے کو نہیں

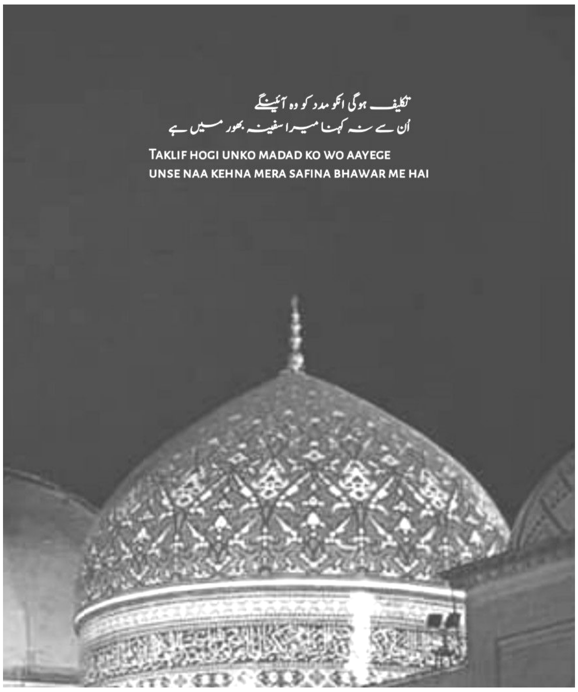

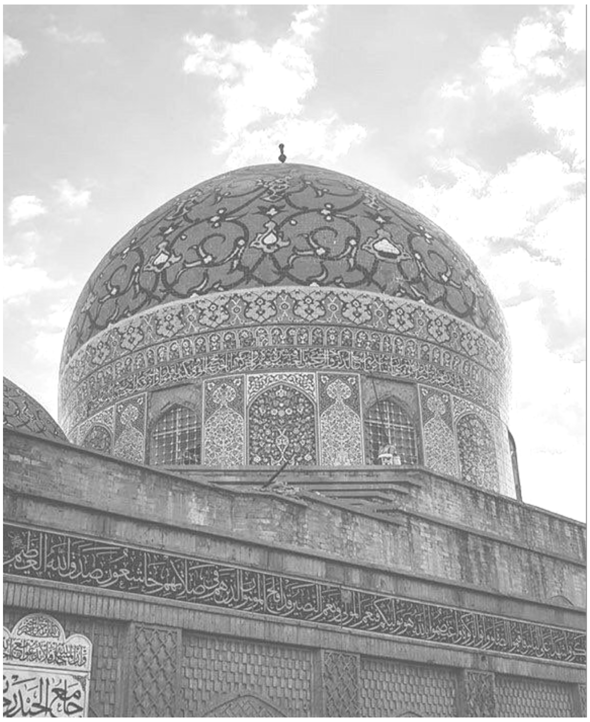

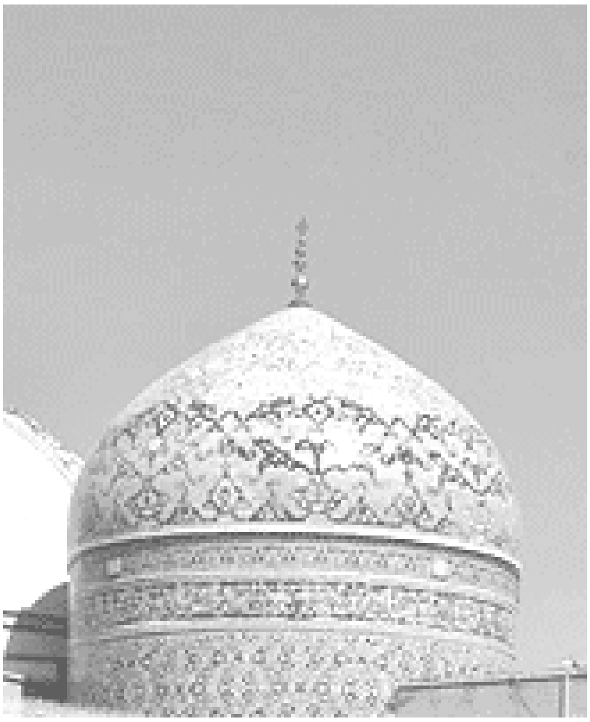

کھلاتا تو اس پر اندیشہ ہے کہ وہ محتاج اور بھیک منگا نہ بن جائے‘۔ آپ علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کو غیبت سے بچنے کی نصیحت کی۔ فرمایا: ’خاصان خدا کی غیبت اور بد گوئی کا ذائقہ مت چکھو کہ وہ سم قاتل ہے۔ اپنے آپ کو بچاؤ۔ ان کے ساتھ کسی قسم کی برائی سے پیش نہ آؤ کیونکہ ان کا ایک بڑی قدرت والا آقا ہے جس کو ان پر غیرت آتی ہے‘۔ آپ علیہ الرحمہ کی تعلیمات، ارشادات اور نصائح آج بھی مسلمانوں کے لیے قابلِ عمل ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ کے ارشادات لوگوں تک پہنچائے جائیں۔ بد قسمتی سے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے معتقدین ان کی کرامات سے تو واقف ہیں، لیکن ان کی تعلیمات سے بالکل بھی واقف نہیں ہیں۔ ان کے نام لیوا دنیا میں بکثرت موجود ہیں لیکن ان کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے والے خال خال ہی ہیں۔ اس پُر فتن دور میں ان کی تعلیمات پر عمل کر کے فتنوں سے بچا جا سکتا ہے۔

آپؒ کا طرزِ عمل طلبہ کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ صبر و تحمّل اور وسیع النّظری سے کام لیتے۔ میں نے کسی شخص کی آپؒ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی۔ بادشاہ اور وزراء بھی آپؒ کی مجالس میں انتہائی عقیدت کے ساتھ حاضر ہوتے اور عام لوگوں کی طرح ادب سے بیٹھ جاتے۔‘ علامہ ابنِ تیمیہ، حافظ ابن کثیرؒ، امام یافعی، امام ذہبی وغیرہ نے بھی آپؒ کا انتہائی عزّت واحترام سے ذکر کیا ہے۔

آپؒ 561 ہجری میں مختصر علالت کے بعد 90 برس کی عُمر میں ’اللہ اللہ‘ کی تکرار کرتے ہوئے اپنے ربّ کے حضور حاضر ہوگئے۔ تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے۔ مؤرخین نے 8، 10 اور 11 ربیع الثّانی کا ذکر کیا ہے۔ صاحب زادے، عبدالوہاب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور بغداد میں تدفین عمل میں آئی۔ آپؒ کی بہت سی تصانیف ہیں، جن میں غنیۃ الطالبین، الفتح الرّبانی اور فتوح الغیب زیادہ معروف ہیں۔ اِن کے اردو تراجم بھی دست یاب ہیں۔

شیخ عزالدّین عبد السّلامؒ اور علامہ ابنِ تیمیہ نے لکھا ہے کہ ’جتنی کرامات آپؒ کی مشہور ہوئیں، کسی اور کی اِتنی تواتر سے مشہور نہیں ہوئیں۔‘

■

علامہ اقبال حیات و خدمات

اطہر بیگ

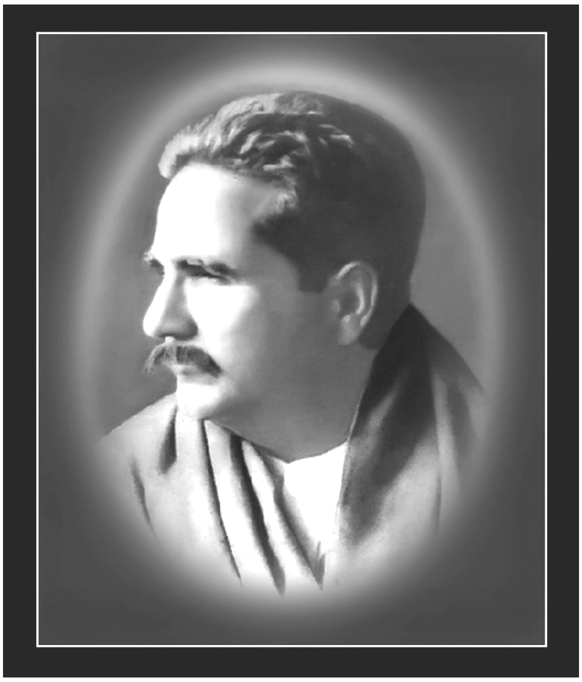

علامہ اقبال 9 نومبر 1877ء (بمطابق 3 ذیقعدہ 1294ھ) کو ہندوستان کے شہر سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ ماں باپ نے نام محمد اقبال رکھا۔ اقبال کے آباء و اجداد قبول اسلام کے بعد اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے اوائل میں کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آئے اور محلہ کھیتیاں میں آباد ہوئے۔

شیخ نور محمد دیندار آدمی تھے۔ بیٹے کے لیے دینی تعلیم ہی کافی سمجھتے تھے۔ سیالکوٹ کے اکثر مقامی علماء کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔ اقبال جب سنِ شعور کو پہنچے تو انھیں مولانا غلام حسن کے پاس لے گئے جو محلہ شوالہ کی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ شیخ نُور محمد کا وہاں آنا جانا تھا۔ یہاں سے اقبال کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ حسبِ دستور قرآن شریف سے ابتداء ہوئی۔ تقریباً سال بھر تک یہ سلسلہ چلتا رہا کہ شہر کے ایک نامور عالم مولانا سید میر حسن ادھر آنکلے۔ ایک بچّے کو بیٹھے دیکھا کہ صورت سے عظمت اور سعادت کی پہلی جوت چمکتی نظر آرہی تھی۔ پوچھا کہ کس کا بچّہ ہے؟ معلوم ہوا تو وہاں سے اُٹھ کر شیخ نور محمد کی طرف چل پڑے۔ دونوں آپس میں قریبی واقف تھے۔ مولانا نے زور دے کر سمجھایا کہ اپنے بیٹے کو مدرسے تک محدود نہ رکھو۔ اس کے لیے جدید تعلیم بھی بہت ضروری ہے انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ اقبال کو ان کی تربیت میں دے دیا جائے۔ کچھ دن تک تو شیخ نور محمد کو پس و پیش رہا، مگر جب دوسری طرف سے اصرار بڑھتا چلا گیا تو اقبال کو میر حسن کے سپرد کر دیا۔ ان کا مکتب شیخ نور محمد کے گھر کے قریب ہی کوچہ میر حسام الدین میں تھا۔ یہاں اقبال نے اردو، فارسی اور عربی ادب پڑھنا شروع کیا۔ تین سال گزر گئے۔ اس دوران میں سید میر حسن نے اسکاچ مشن اسکول میں بھی پڑھانا شروع کر دیا۔ اقبال بھی وہیں داخل ہوگئے مگر پرانے معمولات اپنی جگہ رہے۔ اسکول سے آتے تو استاد کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ میر حسن ان عظیم استادوں کی یادگار تھے جن کے لیے زندگی کا بس ایک مقصد ہوا کرتا تھا: پڑھنا اور پڑھانا۔ لیکن یہ پڑھنا اور پڑھانا نری کتاب خوانی کا نام نہیں۔ اس اچھے زمانے میں استاد مرشد ہوا

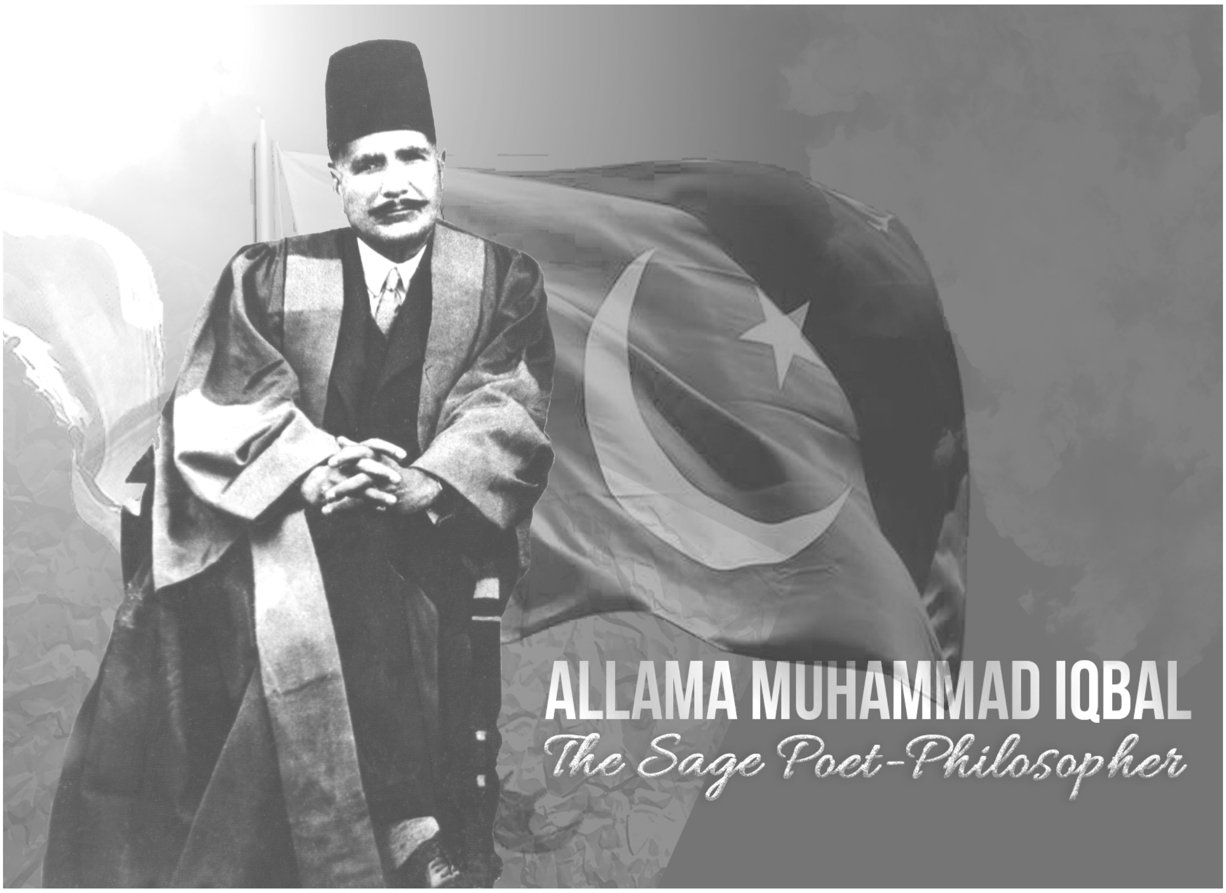

کرتا تھا۔ میر حسن بھی یہی کیا کرتے تھے۔ تمام اسلامی علوم سے آگاہ تھے، جدید علوم پر بھی اچھی نظر تھی۔ اس کے علاوہ ادبیات، معقولات، لسانیات اور ریاضیات میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شاگردوں کو پڑھاتے وقت ادبی رنگ اختیار کرتے تھے تاکہ علم فقط حافظے میں بند ہو کر نہ رہ جائے بلکہ طرزِ احساس بن جائے۔ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی کے ہزاروں شعر از بر تھے۔ ایک شعر کو کھولنا ہوتا تو بیسیوں مترادف اشعار سنا ڈالتے۔

6 مئی 1893ء میں اقبال نے میٹرک کیا اور 1895ء میں اقبال نے ایف اے کیا اور مزید تعلیم کے لیے لاہور آ گئے۔ یہاں گورنمنٹ کالج میں بی اے کی کلاس میں داخلہ لیا اور ہاسٹل میں رہنے لگے۔ اپنے لیے انگریزی، فلسفہ اور عربی کے مضامین منتخب کیے۔ انگریزی اور فلسفہ گورنمنٹ کالج میں پڑھتے اور عربی پڑھنے اورینٹل کالج جاتے جہاں مولانا فیض الحسن سہارنپوری ایسے بے مثال استاد تشریف رکھتے تھے۔

اس وقت تک اورینٹیل کالج گورنمنٹ کالج ہی کی عمارت کے ایک حصّے میں قائم تھا اور دونوں کالجوں کے درمیان بعض مضامین کے سلسلے میں باہمی تعاون اور اشتراک کا سلسلہ جاری تھا۔ 1898ء میں اقبال نے بی اے پاس کیا اور ایم اے (فلسفہ) میں داخلہ لے لیا۔ یہاں پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ کا تعلق میسّر آیا۔ جنھوں نے آگے چل کر اقبال کی علمی اور فکری زندگی کا ایک حتمی رُخ متعین کر دیا۔

مارچ 1899ء میں ایم اے کا امتحان دیا اور پنجاب بھر میں اوّل آئے۔ اس دوران میں شاعری کا سلسلہ بھی چلتا رہا، مگر مشاعروں میں نہ جاتے تھے۔ نومبر 1899ء کی ایک شام کچھ بے تکلف ہم جماعت انھیں حکیم امین الدین کے مکان پر ایک محفلِ مشاعرہ میں کھینچ لے گئے۔ بڑے بڑے سکّہ بند اساتذہ، شاگردوں کی ایک کثیر تعداد سمیت شریک تھے۔ سُننے والوں کا بھی ایک ہجوم تھا۔ اقبال چونکہ بالکل نئے تھے، اس لیے ان کا نام مبتدیوں کے طور پر پُکارا گیا۔ غزل پڑھنی

شروع کی، جب اس شعر پر پہنچے کہ :

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے

قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

تو اچھے اچھے استاد اُچھل پڑے۔ بے اختیار ہو کر داد دینے لگے۔ یہاں سے اقبال کی بحیثیت شاعر شہرت کا آغاز ہوا۔ مشاعروں میں باصرار بلائے جانے لگے۔ اسی زمانے میں انجمن حمایتِ اسلام سے تعلق پیدا ہوا جو آخر تک قائم رہا۔ اس کے ملی اور رفاہی جلسوں میں اپنا کلام سناتے اور لوگوں میں ایک سماں باندھ دیتے۔ اقبال کی مقبولیت نے انجمن کے بہت سارے کاموں کو آسان کر دیا۔ کم از کم پنجاب کے مسلمانوں میں سماجی سطح پر دینی وحدت کا شعور پیدا ہونا شروع ہو گیا جس میں اقبال کی شاعری نے بنیادی کردار ادا کیا۔

ایم اے پاس کرنے کے بعد اقبال 13 مئی 1899ء کو اورینٹل کالج میں میکلوڈ عربک ریڈر کی حیثیت سے متعین ہو گئے۔ اسی سال آرنلڈ بھی عارضی طور پر کالج کے قائم مقام پرنسپل مقرر ہوئے۔ اقبال تقریباً چار سال تک اورینٹل کالج میں رہے۔ البتہ بیچ میں چھ ماہ کی رخصت لے کر گورنمنٹ کالج میں انگریزی پڑھائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے کینیڈا یا امریکہ جانا چاہتے تھے مگر آرنلڈ کے کہنے پر اس مقصد کے لیے انگلستان اور جرمنی کا انتخاب کیا۔ 1904ء کو آرنلڈ جب انگلستان واپس چلے گئے تو اقبال نے ان کی دوری کو بے حد محسوس کیا۔ دل کہتا تھا کہ اُڑ کر انگلستان پہنچ جائیں۔ اورینٹیل کالج میں اپنے چار سالہ دورِ تدریس میں اقبال نے اسٹبس کی 'ارلی پلا نجنٹس' اور واکر کی 'پولٹیکل اکانومی' کا اردو میں تلخیص و ترجمہ کیا، شیخ عبدالکریم الجیلی کے نظریٔ توحیدِ مطلق پر انگریزی میں ایک مقالہ لکھا اور 'علم الاقتصاد' کے نام سے اردو زبان میں ایک مختصر سی کتاب تصنیف کی جو 1904ء میں شائع ہوئی۔ اردو میں اپنے موضوع پر یہ اولین کتابوں میں سے ہے۔

25 دسمبر 1905ء کو علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی ٹرنٹی کالج میں داخلہ لے لیا چونکہ کالج میں ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے لیے گئے تھے اس لیے ان کے لیے عام طالب علموں کی طرح ہوسٹل میں رہنے کی پابندی نہ تھی۔ قیام کا بندوبست کالج سے باہر کیا۔ ابھی یہاں آئے ہوئے ایک مہینے سے کچھ اوپر ہوا تھا کہ بیرسٹری کے لیے لنکنز اِن میں داخلہ لے لیا۔ اور پروفیسر براؤن جیسے فاضل اساتذہ سے رہنمائی حاصل کی۔ بعد میں آپ جرمنی چلے گئے جہاں میونخ یونیورسٹی سے آپ نے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

میگ ٹیگرٹ اور نکلسن کے ساتھ اقبال کا قریبی ربط تھا بلکہ نکلسن کے ساتھ تو برابر کی دوستی اور بے تکلفی پیدا ہو گئی۔ میگ ٹیگرٹ ٹرنٹی کالج میں کانٹ اور ہیگل کا فلسفہ پڑھاتے تھے۔ خود بھی انگلستان کے بڑے فلسفیوں میں گنے جاتے تھے۔ براؤن اور نکلسن عربی اور فارسی زبانوں کے ماہر تھے۔ آگے چل کر نکلسن نے اقبال کی فارسی مثنوی 'اسرار خودی' کا انگریزی ترجمہ بھی کیا جو اگرچہ اقبال کو پوری طرح پسند نہیں آیا مگر اس کی وجہ سے انگریزی خواں یورپ کے شعری اور فکری حلقوں میں اقبال کے نام اور کام کا جزوی سا تعارف ضرور ہو گیا۔ انگلستان سے آنے بعد بھی اقبال کی میگ ٹیگرٹ اور نکلسن سے خط و کتابت جاری رہی۔

آرنلڈ جو کیمبرج میں نہیں تھے، لندن یونیورسٹی میں عربی پڑھاتے تھے، لیکن اقبال بڑی باقاعدگی سے ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ ہر معاملے میں ان کا مشورہ لے کر ہی کوئی قدم اُٹھاتے۔ انہی کے کہنے پر میونخ یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے رجسٹریشن کروائی۔ کیمبرج سے بی اے کرنے کے بعد جولائی 1907ء کو ہائیڈل برگ چلے گئے۔ تاکہ جرمن زبان

سیکھ کر میونخ یونیورسٹی میں اپنے تحقیقی مقالے کے بارے میں اس زبانی امتحان کی تیاری ہو جائے جو اسی زبان میں ہوتا تھا۔ یہاں چار ماہ گزارے۔ 'ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء' کے عنوان سے اپنا تحقیقی مقالہ پہلے ہی داخل کر چکے تھے، ایک زبانی امتحان کا مرحلہ ابھی رہتا تھا، اس سے بھی سرخروئی کے ساتھ گزر گئے۔ 4 نومبر 1907ء کو میونخ یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دے دی۔ 1908ء میں یہ مقالہ پہلی بار لندن سے شائع ہوا۔ انتساب آرنلڈ کے نام تھا۔

لندن میں قیام کے دوران میں اقبال نے مختلف موضوعات پر لیکچروں کا ایک سلسلہ بھی شروع کیا، مثلاً اسلامی تصوّف، مسلمانوں کا اثر تہذیب یورپ پر، اسلامی جمہوریت، اسلام اور عقلِ انسانی وغیرہ بدقسمتی سے ان میں ایک کا بھی کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ ایک مرتبہ آرنلڈ لمبی رخصت پر گئے تو اقبال ان کی جگہ پر لندن یونیورسٹی میں چند ماہ کے لیے عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ یورپ پہنچ کر انھیں مغربی تہذیب و تمدّن اور اس کی روح میں کارفرما مختلف تصوّرات کو براہ راست دیکھنے کا موقع ملا۔ مغرب سے مرعوب تو خیر وہ کبھی نہیں رہے تھے، نہ یورپ جانے سے پہلے نہ وہاں پہنچنے کے بعد۔ بلکہ مغرب کے فکری، معاشی، سیاسی اور نفسیاتی غلبے سے آنکھیں چرائے بغیر انھوں نے عالمی تناظر میں امتِ مسلمہ کے گزشتہ عروج کی بازیافت کے لیے ایک وسیع دائرے میں سوچنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ان پر مغربی فکر اور تہذیب کا چھپا ہوا بودا پن منکشف ہو گیا۔

13 اپریل، 1919ء کو امرتسر شہر کے جلیانوالہ باغ میں ایک احتجاجی جلسہ کیا گیا۔ رُسوائے زمانہ جنرل ڈائر نے لوگوں کو گھیرے میں لے کر اندھا دھند فائرنگ کروائی اور سینکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ گو کہ اقبال نے اس زمانے میں خانہ نشینی اختیار کر رکھی تھی لیکن اس حادثے کی

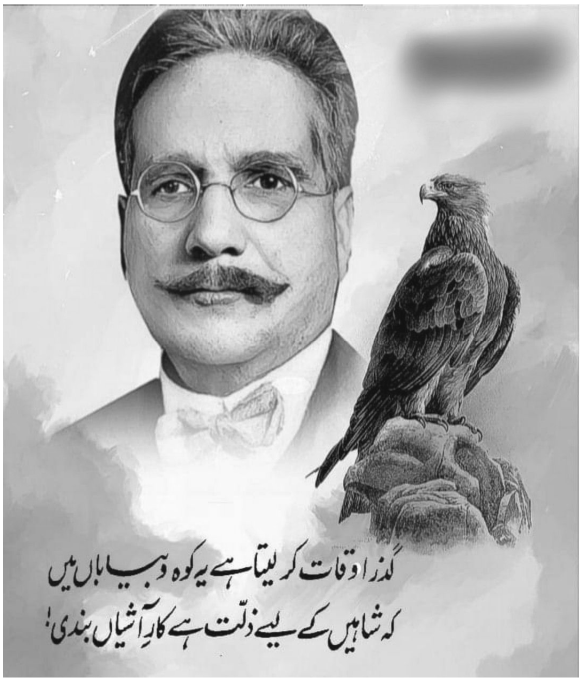

دھمک ان کے دل تک بھی پہنچی۔ انھوں نے مرنے والوں کی یاد میں یہ اشعار کہے:

ہر زائرِ چمن سے یہ کہتی ہے خاکِ پاک
غافل نہ رہ جہان میں گردوں کی چال سے

—

سینچا گیا ہے خونِ شہیداں سے اس کا تخم
تو آنسوؤں کا بخل نہ کر اس نہال سے

'میں آپ کو اس اعزاز کی اطلاع خود دیتا مگر جس دنیا کے میں اور آپ رہنے والے ہیں، اس دنیا میں اس قسم کے واقعات احساس سے فروتر ہیں۔ سینکڑوں خطوط اور تار آئے اور آ رہے ہیں اور مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ لوگ ان چیزوں کو کیوں گراں قدر جانتے ہیں۔ باقی رہا وہ خطرہ جس کا آپ کے قلب کو احساس ہوا ہے۔ سو قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں، دنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی'۔

■

اقبال کی نظم سیرِ فلک کا نو دریافت ماخذ

سمیع اللہ

رومی کا کلام عشق و محبت کی دلیل ہے، پیاسوں کیلئے وہ ایک چشمہ آب ہیں شعر کے اندر آگ 'اللہ ہو' سے آتی ہے۔ ایسی شاعری مٹی کو پھول بنا دیتی ہے۔ آسمان کو ہلا دیتی ہے، فقیروں کو بادشاہ بنا دیتی ہے، دل کو بیدار کر دیتی ہے۔ ایسی شاعری پیغمبری ہے۔

پیر رومی نے مجھ سے کہا۔ تہذیب کی اصل دین ہے اور دین کی اصل عشق ہے۔ عشق کا ظاہر سوزناک اور باطن نور ہے۔ آداب دین سیکھے بغیر عشق نہیں آتا۔

بانگ درا میں علامہ اقبال کی ایک مؤثر اردو نظم بہ عنوانِ سیرِ فلک ہے جسے کئی برس بعد تخلیق ہونے والی عظیم فارسی مثنوی جاوید نامہ کی دل نشیں تمہید قرار دیا جا سکتا ہے۔ سیرِ فلک بہ جائے خود اردو کے 'عروجی' ادب میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ خیالی آسمانی سفر کے چند مختصر مشاہدات پر مشتمل اس نظم کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے جہنم کو دہکانے کا انتظام خود ہی کر کے آتا ہے اور اپنے حصّے کے شعلے اور انگارے دنیا سے اپنے ساتھ ہی لاتا ہے۔ نظم یہ ہے:

تھا تخیّل جو ہم سفر میرا
آسماں پر ہوُا گزر میرا

اڑتا جاتا تھا، اور نہ تھا کوئی
جاننے والا چرخ پر میرا

تارے حیرت سے دیکھتے تھے مجھے
رازِ سر بستہ تھا سفر میرا

—

حلقہء صبح و شام سے نکلا
اس پرانے نظام سے نکلا

—

کیا سناؤں تمھیں ارم کیا ہے
خاتمِ آرزوئے دیدہ و گوش

شاخِ طوبیٰ پہ نغمہ ریز طیور
بے حجابانہ حور جلوہ فروش

ساقیانِ جمیل جام بہ دست
پینے والوں میں شورِ نوشانوش

دور جنّت سے آنکھ نے دیکھا
ایک تاریک خانہ سرد و خموش

طالعِ قیس و گیسوئے لیلیٰ
اس کی تاریکیوں سے دوش بہ دوش

خنک ایسا کہ جس سے شرما کر
کُرہء زمہریر ہو روپوش

میں نے پوچھی جو کیفیت اس کی
حیرت انگیز تھا جوابِ سروش

یہ مقامِ خنک جہنّم ہے
نار سے، نور سے تہی آغوش

شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے
جن سے لرزاں ہیں مردِ عبرت کوش

اہلِ دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

نظم کا مرکزی خیال یقیناً تصوّف کے ثروت مند ذخیرہ ءادب سے مأخوذ ہے۔ یہ خیال کئی دوسری زبانوں میں بھی منتقل ہؤا ہو گا اور قدیم نثری و شعری متون میں اس کے کئی شواہد موجود ہوں گے جنھیں کھوج کر یکجا کیا جانا چاہیے۔

سرِدست یقینی طور پر متعیّن نہیں کیا جا سکتا کہ اس نظم کی تخلیق کا راست مأخذ کون سا ہے۔

ذیل میں ایسے ایک قدیم مأخذ کا ذکر کیا جاتا ہے جو ساتویں صدی ہجری کا ہے۔ ایران کے ایک اہم مگر تا حال گم نام صوفی بزرگ شیخ حسن بلغاری (605تا698ھ) کے احوال و ملفوظات کا فارسی مجموعہ 'مقاماتِ شیخ حسن بلغاری' کے نام سے 2019ء میں انتشاراتِ موقوفاتِ افشار، تہران، ایران سے شائع ہؤا ہے۔ اس میں شیخ کا ایک مکاشفہ درج ہے جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

میں نے دیکھا کہ مجھے دوزخ میں لے جایا گیا۔ وہ سرکنڈوں کے کسی جلے ہوئے جنگل کی طرح تھا۔ اس میں آگ کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ دوزخ میں آگ نہیں ہے؟ کسی بتانے والے نے بتایا کہ یہاں آگ نہیں ہوتی۔ جو بھی آتا ہے، اپنی آگ ساتھ ہی لے آتا ہے۔

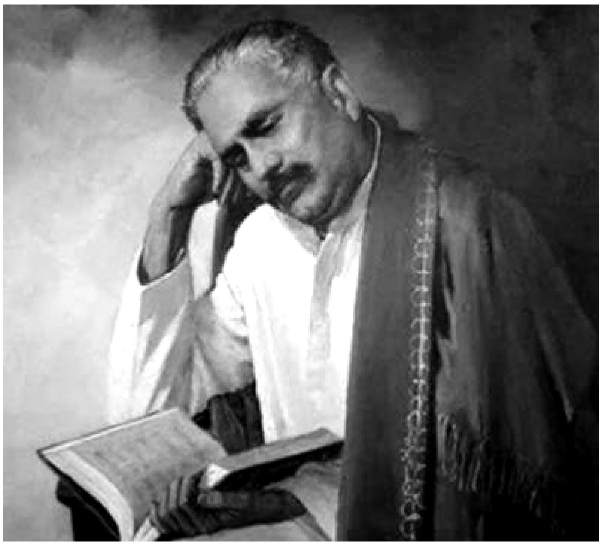

کتاب کے مؤلف شیخ حسن بلغاری کے مرید محمد زینی ہیں جنھوں نے اپنے شیخ کی وفات کے بعد جلد ہی، یعنی آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں یہ تذکرہ تالیف کیا ہے۔ اقبال کی نظم سیرِ فلک کے ممکنہ متعدّد فارسی مآخذ میں یہ روایت شاید سب سے پرانی قرار پائے گی

کہا جاتا ہے کہ اقبال نے اس نظم میں قرآن پاک کی سورہ توبہ کی 34 ویں آیت کی منظوم تفسیر پیش کی ہے۔ اس آیت میں ارشاد ہوا ہے جن لوگوں نے سونا چاندی جمع کیا اور اس کو اللہ کی راہ میں صرف کرنے سے گریز کیا، قیامت کے روز ان کی پیشانی، پشت اور پہلو کو اسی گرم کیے ہوئے سونے چاندی سے داغا جائے گا۔ علامہ اقبال نے اسی حوالے سے اور دوسرے زاویے سے یہی بات کہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دوزخ بجائے خود گرم نہیں ہے بلکہ جب بداعمال اور گنہگار لوگ وہاں بھیجے جاتے ہیں تو ان کی بداعمالیاں ہی شعلے بن کر انہیں جلاتی ہیں۔ چنانچہ اس نظم میں اقبال کہتے ہیں۔ میں اپنے تخیل کے ساتھ آسمان کی سیر کر رہا تھا اس کی وسعتوں میں اڑتا پھر رہا تھا۔

اے لوگو! تمہیں کیا بتاؤں کہ اس سفر کے دوران میں نے جنت کا نظارہ کیا۔ جنت کیسی ہے اس کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس کو دیکھنے سے کانوں کی قوت سماعت اور آنکھوں کی بصارت کی تشنگی دور ہو جاتی ہے اور جملہ عناصر کی آرزوؤں کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ مراد یہ کہ جنت میں تمام انسانی خواہشات کی تکمیل کا سامان موجود ہے۔

زندگی اور مقصد زندگی کے حوالے سے جتنے فکر انگیز خیالات اقبال نے پیش کیے ہیں، اردو ادب کی تاریخ میں اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔ اس انقلابی فکر کی آبیاری میں ان کے والدین کی مثالی تربیت کا خصوصی کردار رہا ہے۔ ان کے والد شیخ نور محمد متقی اور پرہیزگار مسلمان تھے۔ ان کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ اقبال کے اندر بچپن سے ہی قرآن حکیم کی تلاوت کا شوق، حسن اخلاق اور بزرگوں کا احترام جیسی خوبیاں پروان چڑھیں اور جزو زندگی بن گئیں۔ والد بزرگوار نے ایک بار اقبال کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا 'بیٹا جب تلاوت کیا کرو تو یہ جان کر قرآن پڑھا کرو کہ یہ تم پر ہی نازل ہوا ہے۔' یہ نصیحت اتنی اہم اور غیر معمولی تھی کہ اس نے اقبال کی شخصیت اور شاعری پر انقلابی اثرات مرتب کیے۔

بقول اکبر الٰہ آبادی:

حضرت اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی نظریں جو ان کے طرز کی شیدا ہوئیں
اس کے شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
باوفا تھے اہل دل تھے صاحب اسرار تھے

قرآن حکیم کے بارے میں اقبال اپنے والد محترم کی نصیحت پر تادم حیات سختی کے ساتھ عمل پیرا رہے۔ کلام اقبال کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے شاعرانہ تخیل میں انقلابی افکار کی آمد تعلیم قرآن کے مرہون منت ہے۔

اقبال کے یہاں 'شاہین' شجاعت، دانائی، عزت نفس، دور اندیش اور خود اعتمادی کا استعارہ ہے۔ یہی وہ اعلیٰ

ترین انسانی خصلتیں ہیں جو کسی قوم کو زندگی عطا کرتی ہیں۔ اقبال کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے پرندوں کی دنیا میں سے ایک ایسے پرندے کا انتخاب کیا جو اپنے اندر شانِ درویشی رکھتا ہے اور اس کی نظر آسمان کی بلندیوں پر رہتی ہے۔ اقبال کا 'شاہین' قوم کا وہ مثالی نوجوان ہے جو کچھ اس شاہانہ انداز سے زندگی بسر کرتا ہے:

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

ایک موقع پر طلبہ کا ایک گروپ ان کی خدمت چند سوالات لے کر گیا۔ ان کو اندازہ تھا کہ اقبال فلسفہ اور قانون کی کتابوں کے حوالے سے جواب دیں گے۔ لیکن اقبال نے

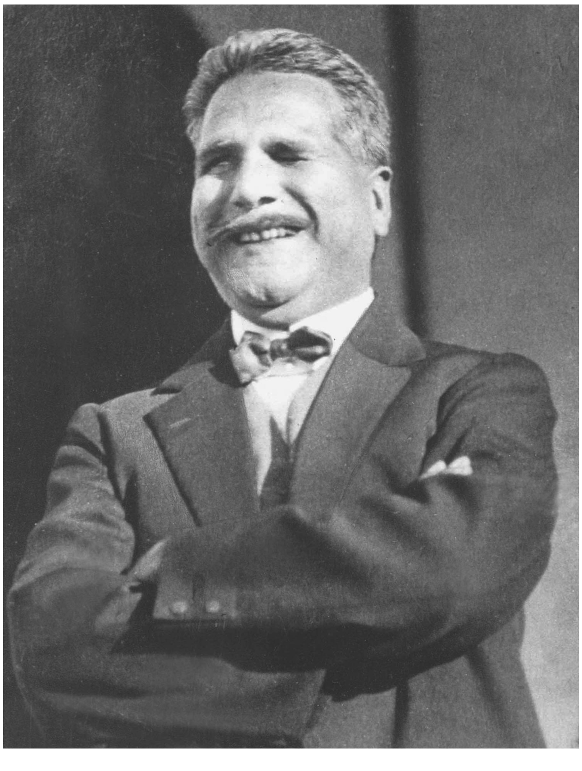

قرآن حکیم کھول کر سوالات کا تشفی بخش جواب دیا۔ یہ منظر دیکھ کر طلبہ کا وفد حیران رہ گیا۔ لیکن علامہ اقبال اس راز سے واقف تھے۔ اس لیے کہ انھوں نے قرآن کریم کو ہدایت کے بنیادی سرچشمہ کی حیثیت سے قبول کیا تھا۔

اقبال کی شاعری میں پنہاں فکر وآگہی انہیں شاعر فردا ثابت کرتی ہے۔ اپنے وقت میں وہ مظلوم اقوام کی سب سے مضبوط آواز بن کر ابھرے۔ اور آج بھی ان کی انقلابی شاعری ہمیں زندگی کا پیغام دے رہی ہے۔ مقاصد زندگی کے ساتھ عشق کی کیفیت نے اقبال کو اقبال بنایا۔ وہ اس جذبۂ عشق کو قوم کے نوجوانوں میں بیدار کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے اللہ کے حضور بڑی دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ یہ دعائیں کی تھیں:

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

■

یومِ اقبال

افشاں خان

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں،

ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں۔

On him who merits well I set the brightest diadem and those who truly questing come, a new world waits for them – (Allama Iqbal)

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال پر لکھنے کا موقع مل رہا ہے۔ یوں تو شاعر مشرق کو کسی تعارفی حوالے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے پوری دنیا میں مقبولیت حاصل کیا ہوا ہے۔ ہر سال 9 نومبر کو پورے پاکستان میں شاعر مشرق علامہ اقبال کے یوم پیدائش کو یوم اقبال کے طور پر منایا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کی شہرت جہاں مسلمانوں کے موجودہ دور میں مصلحانہ کردار کی تھی وہیں قیام پاکستان میں ایک ممتاز شخصیت کی تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے خطبہ الہٰ آباد میں مسلمانوں کی ایک الگ مملکت کا پورا نقشہ پیش کر دیا تھا۔ اور پھر محمد علی جناح کو جو مستقل طور پر لندن کوچ کر گئے تھے۔ خط لکھ کر ہندوستان واپس آنے اور مسلمانوں کی قیادت کرنے کی ترغیب دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انکے انتقال پر تعزیتی بیان میں محمد علی جناح نے اعتراف کیا کہ ان کیلئے اقبال ایک رہنما بھی تھے، دوست بھی اور فلسفی بھی تھے، جو کسی ایک لمحہ کیلئے بھی متزلزل نہ ہوئے اور چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ بھارت میں علامہ اقبال کو شاعر مشرق، ادیب، مفکر، فلسفی اور مسلمانوں کو جگانے والی شخصیت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ ان کی ولادت کے موقع پر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء، طالبات کے مابین انعامی مقابلہ مصوری بعنوان 'علامہ اقبال اور علم کی شمع، علامہ اقبال اور شاہین، علامہ اقبال اور تعلیم' دیگر حصوں میں بھی منعقد ہوئے اس دن قبال کو دیا کیا جاتا ہے اور ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ اس دن کو اب یومِ اردو بھی کہا جانے لگا ہے۔ یعنی 9 نومبر جہاں اقبال کی شاعری اور ان کے فکر و فن پر اور دیگر خدمات پر پروگراموں کا انعقاد کیا جاتا ہے وہیں اردو کے حوالے سے اہل اردو کے رویوں اور اردو سے ان کی محبت کے دعوے سے ہمیں یہ جاننے کا موقع ملتا ہے کہ ہم جو اردو سے محبت کے دعوے دار ہیں اردو سے کتنی محبت کرتے ہیں اور ہمارے دعوے میں کتنی صداقت ہے۔

علامہ اقبال ہمارے نا صرف قومی ہیرو ہیں بلکہ وہ شاعر مشرق بھی ہیں۔ وہ 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے سیالکوٹ میں اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے مری کالج سیالکوٹ سے انٹرمیڈیٹ سے امتحان پاس کیا۔ پھر وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے لاہور چلے گئے۔ انہوں نے فلسفے میں پی ایچ ڈی کی۔ انہوں نے مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی یاد دلایا۔ ان کی مشہور کتابوں کے نام بانگ درا، بال جبریل، پیام مشرق اور اسرار خودی ہیں۔ انہوں نے پاکستان کا تصور پیش کیا۔ انہوں نے

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں آئیڈیاز 2022 کی اسٹیرنگ کمیٹی کی میٹنگ کی صدارت کرتے ہوئے۔

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وڈیو لنک کے ذریعے وزیراعظم شہباز شریف کی صدارت میں اسلام آبادمیں منعقد اجلاس میں سیلاب کی صورتحال، پانی کی نکاسی، سیلاب متاثرین کی بحالی اور ربیع کی فصل کی کاشت و بیج کی فراہمی کے اجلاس میں شریک ہیں۔

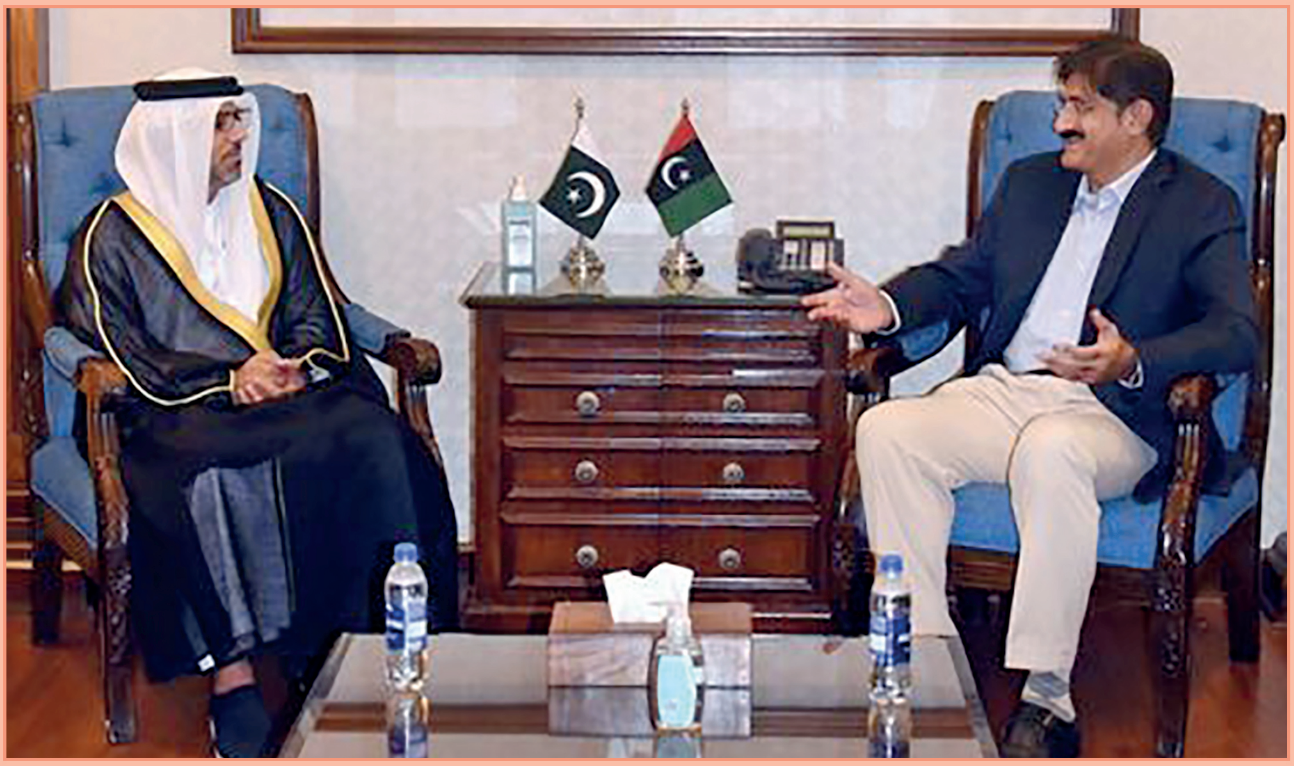

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں متحدہ عرب امارات کے
سفیر جناب حماد عبید اللہ ابراہیم الزابی کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ سعودی عرب کے مقرر کردہ قونصل جنرل بندر فہد الدایل کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں اسپیشل اسسٹنٹ جاوید نایاب لغاری سے ملاقات کرتے ہوئے۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں 'پولیو تحفظ مہم' کے افتتاح کے گروپ تصویر۔
وزیر صحت عذرا فضل پیچوہو، چیف سیکریٹری ڈاکٹر سہیل راجپوت، ایڈیشنل آئی جی کراچی جاوید اڈھو، سیکریٹری صحت ذوالفقار شاہ اور دیگر بھی ان کے ہمراہ ہیں۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں ایک بچی کو قطرے پلا کر 'پولیو تحفظ مہم' کا افتتاح کرتے ہوئے۔
اس موقعہ پر وزیر صحت عذرا فضل پیچوہو اور چیف سیکریٹری ڈاکٹر سہیل راجپوت بھی ان کے ہمراہ ہیں۔

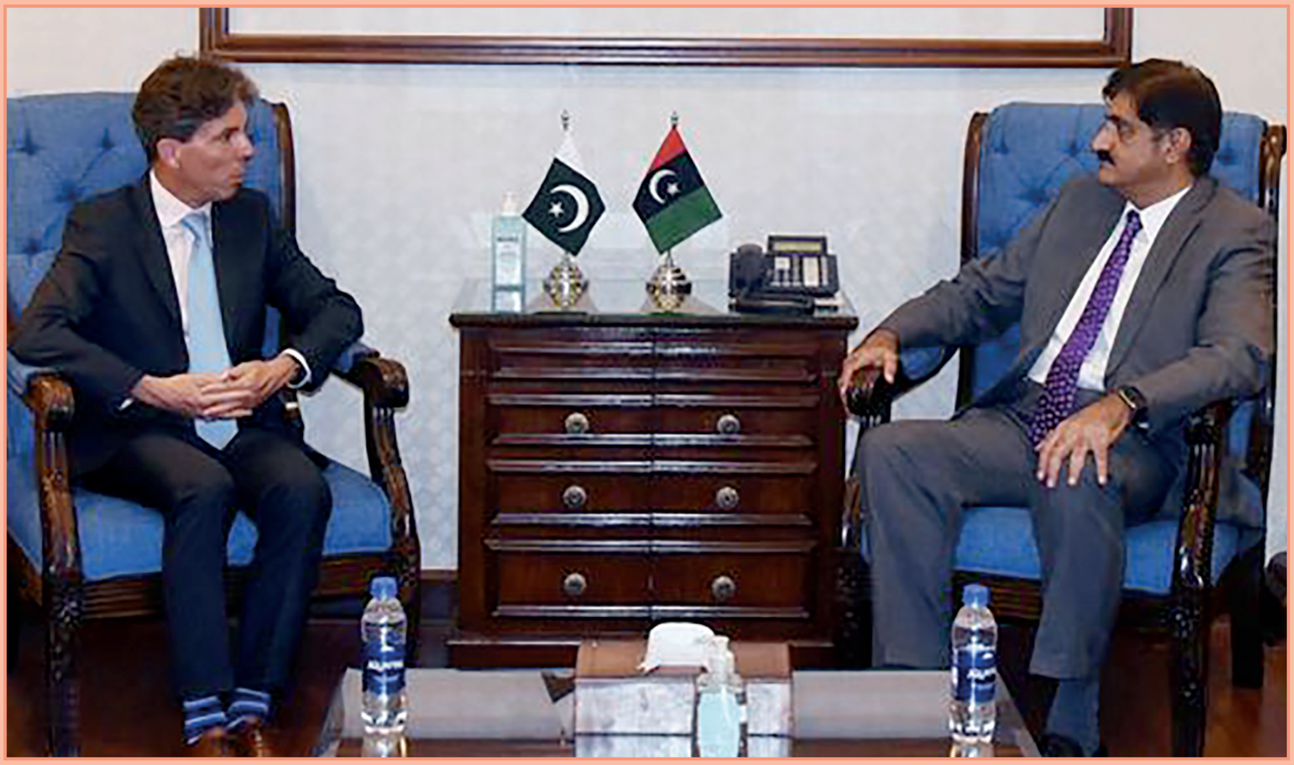

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیراعلیٰ ہاؤس میں ارجنٹینا کے سفیر جناب لیو اولڈو فرانسسکو ساہورس سے ملاقات کرتے ہوئے۔

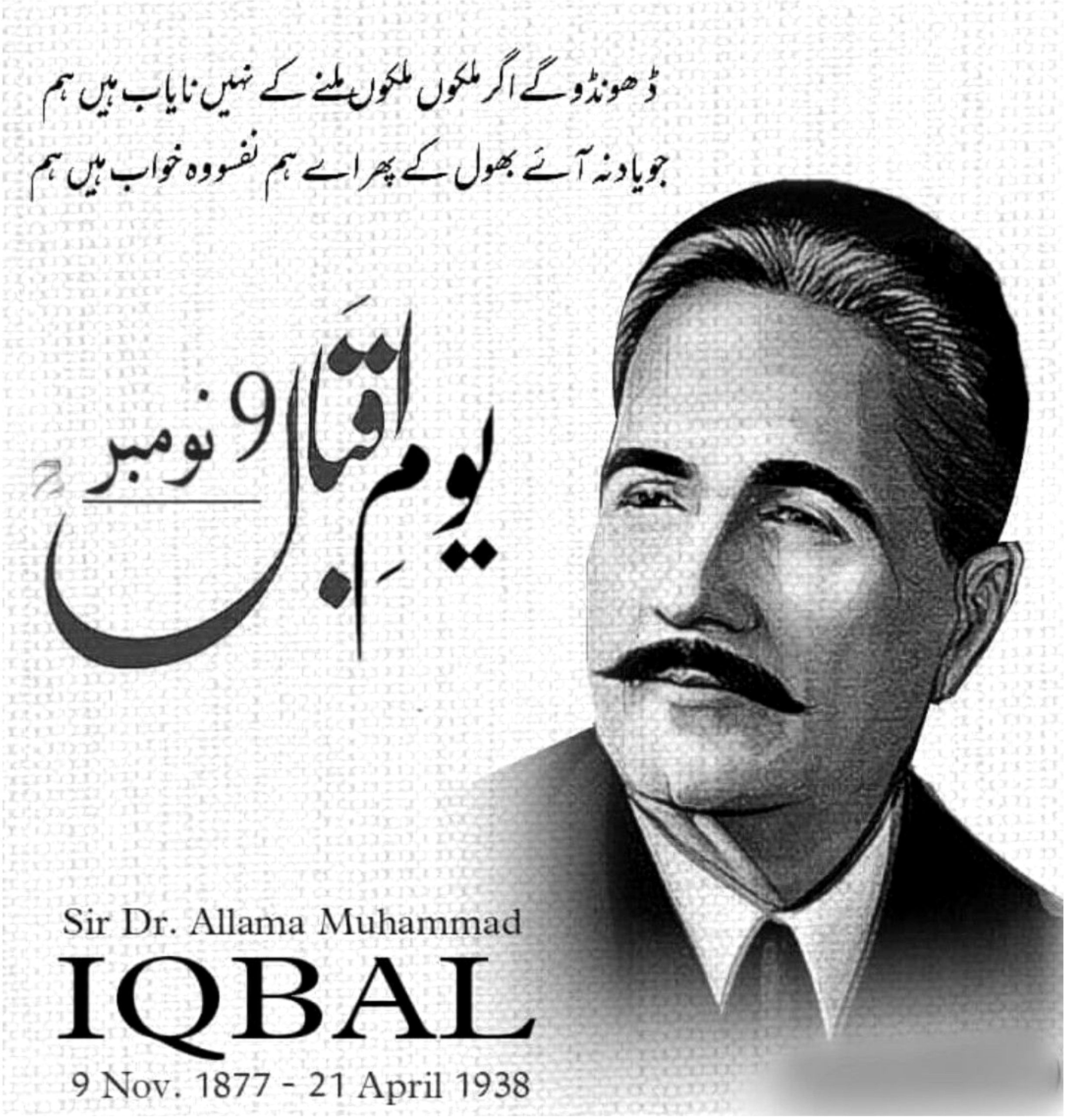

قائد اعظم سے مسلمانوں کی قیادت قبول کرنے کی درخواست کی۔ وہ واقعی ایک عظیم رہنما تھے وہ 21 اپریل 1938ء کو اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔ انہیں بادشاہی مسجد لاہور میں دفن کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال کے چند مشہور اشعار

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے،
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے۔

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے،
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے۔

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر،
نیازمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر۔

کون یہ کہتا ہے، خدا نظر نہیں آتا،
وہی تو نظر آتا ہے جب کچھ نظر نہیں آتا۔

ایک سجدہ جیسے تو گراں سمجھتا ہے،
ہزار سجدے سے دیتا ہم آدمی کو نجات۔

علامہ اقبال کی کہانی ان کے زبانی:

کالج میں میری تعلیم کا ابتدائی زمانہ تھا۔ میرا معمول تھا میں ہر روز نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ اس دوران میرے والد ماجد بھی مسجد سے تشریف لے آتے اور مجھے تلاوت کرتا دیکھ کر اپنے کمرے میں چلے جاتے۔ میں کبھی ایک منزل ختم کر چکا ہوتا ہوتا۔ کبھی کم۔ ایک روز کا ذکر ہے، والد ماجد حسب معمول مسجد سے واپس آئے میں تلاوت میں مصروف تھا مگر وہ جیسے کسی خیال سے میرے پاس بیٹھ گئے۔ میں تلاوت کرتے کرتے رک گیا اور منتظر تھا کہ مجھ سے کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ کہنے لگے تم کیا پڑھا کرتے ہو مجھے ان کے سوال پر نہایت تعجب ہوا بلکہ ملال بھی۔ انہیں معلوم تھا کہ میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہوں۔ بہر حال میں نے مودبانہ عرض کیا قرآن پاک، کہنے لگے تم جو کچھ پڑھتے ہو سمجھتے بھی ہو میں کہا کیوں نہیں تھوڑی بہت عربی جانتا ہوں۔ کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا ہوں۔ انہوں نے میرا جواب خاموشی سے سنا اور اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے میں حیران تھا کہ آخر اس سوال کا کیا مطلب۔ کچھ دن مزید گزر گئے۔ یہ بات جیسے آئی گئی ہوگئی، لیکن اس واقعے کو چھٹا روز تھا صبح سویرے میں حسب معمول قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ والد ماجد مسجد سے واپس آئے اور میں نے تلاوت ختم کی انہوں نے مجھے بلایا اور اپنے پاس بیٹھا کر بڑی نرمی سے کہنے لگے بیٹا! قرآن مجید وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس پر اس کا نزول ہو، مجھے تعجب ہوا کہ حضور ﷺ کے بعد قرآن پاک کیسے کسی پر نازل ہو سکتا ہے معلوم ہوتا ہے وہ میرے دل کی بات سمجھ گئے۔ کہنے لگے۔ تمہیں کیسے یہ خیال گزرا کہ اب قرآن مجید کسی پر نازل نہیں ہوگا۔ کیونکہ نہ تم اس کی تلاوت اس طرح کرو جیسے یہ تم پر نازل ہو رہا ہے۔ ایسا کرو گے تو یہ تمہاری رگ رگ پر سرایت کر جائے گا میں ہمہ تن والد ماجد کی بات سنتا رہا بلکہ اپنے آپ کو تیار رہا تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت ویسے ہی کروں گا۔ جیسے ان کا ارشاد ہے کہ انہوں نے کہا! سنو! اللہ تعالیٰ کا ارادہ عالم انسانیت کو جس معراج کمال تک پہنچانے کا تھا، اس کا آخری اور کامل و مکمل نمونہ ہمارے

نبی اکرم مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات وصفات میں ہمارے سامنے پیش کر چکا لہٰذا ہم کہیں گے کہ آدمؑ سے حضورﷺ رسالت مآب تک کہ خاتم الانبیا ہیں۔ جتنے بھی مبعوث ہوئے، ان میں سے ہر ایک کا گزر مدارج محمدیہ ہی میں سے ہو رہا تھا۔ وہ گویا ایک سلسلہ تھا جب کا خاتم ذات محمد کی تشکیل پر ہوا۔ والد ماجد نے پھر خود ہی اپنے اس ارشاد کی تشریح کی۔ انہوں نے کہا شعور انسانی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ بالآخر جب وہ مرحلہ بھی آگیا تو زندگی اپنے مقصود کو پالیے تو ذات محمدیہ بھی اپنی پوری شان سے جلوہ گر ہوگئی۔

حضور رسالت تشریف لے آئے باب نبوت بند ہوا، انسانیت اپنے معراج کمال کو پہنچی اور حضورﷺ کا اسوہ حسنہ وکاملہ ہی ہر اعتبار سے ہمارے لئے حجت، مثال اور نمونہ ٹھہرا۔ اب جتنا بھی کوئی اس رنگ میں رنگتا چلا جائے گا اتنا ہی قرآن مجید اس پر نازل ہوتا رہے گا۔ یہ مطلب تھا میرے اس کہنے کا کہ قرآن مجید اسی کی سمجھ میں آسکتا ہے جس پر اس کا نزول ہو۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں والد صاحب کا سمجھنا تھا۔ اس کے بعد میری تلاوت کا انداز ہی بدل گیا۔ قرآن مجید کے راز مجھ پر آشکار ہونا شروع ہوگئے۔

اب تیغ یار تھوڑا سا نہ لے کر رکھ دیا،
باغ جنت میں خدا نے آب کوثر رکھ دیا۔

ہنس کے پوچھا اس صنم نے، کون ہے تیرا رقیب،
میں نے اس کے سامنے آئینہ لے کر رکھ دیا،

جان دے کر تمہیں جینے کی دعا دیتے ہیں
پھر بھی کہتے ہو کہ عاشق ہمیں کیا دیتے ہیں

گرم پر کبھی ہوتا ہے جو وہ بت اقبال
حضرت داغ کے اسکار سنا دیتے ہیں۔

■

شاہ عبداللطیف اور وارث شاہ
کی شاعری میں ہم آہنگی

قرۃ العین ذیشان

معاشرے کے خلاف احتجاج کا پہلو نکلتا ہے۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی 1690ء میں پیدا ہوئے اور وارث شاہ کا سن پیدائش 1721ء یعنی دونوں 31 برس کے فرق سے ایک دوسرے کے ہم عصر کہے جاسکتے ہیں۔ دونوں عشق میں مبتلا ہوئے۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی سیدہ سے عشق میں کامران رہے جبکہ وارث شاہ کے حصے میں بھاگ بھری کی ناگہانی موت کے سبب وصال میں ناکامی لکھی تھی۔ ویسے شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی شاعری بھی عشق میں ہجر و فراق کی بے بسی کی دین ہے۔ دونوں کا عشق بے لوث تھا اور حوس سے ان کا دور سے بھی واسطہ نہ تھا۔

اے میرے اونٹ چل مومل کے دیس
جہاں مہکتی ہوئی بیلیں ہیں
کنواریاں ہیں
اور ایسے کنول کے پھول ہیں
کہ جن پر بھنور نہیں منڈلاتے۔
(شاہ لطیف)

ان دونوں شاعروں نے فارسی اور عربی کا علم رکھتے ہوئے بھی اپنی شاعری کے لئے وہ زبان منتخب کی جو گلی کوچوں، اوطاق اور چوپالوں میں بولی جاتی ہے۔ یہ وہ لہجہ ہے جو امراء اور جاگیرداروں کے ظلم سے بیزار عوام کا ہے مگر اس لہجے کی شدت، کرختگی اور کھردرا پن ان کے کلام میں استعمال ہو کر نفاست میں ڈھل گیا ہے۔ دونوں غریبوں کی

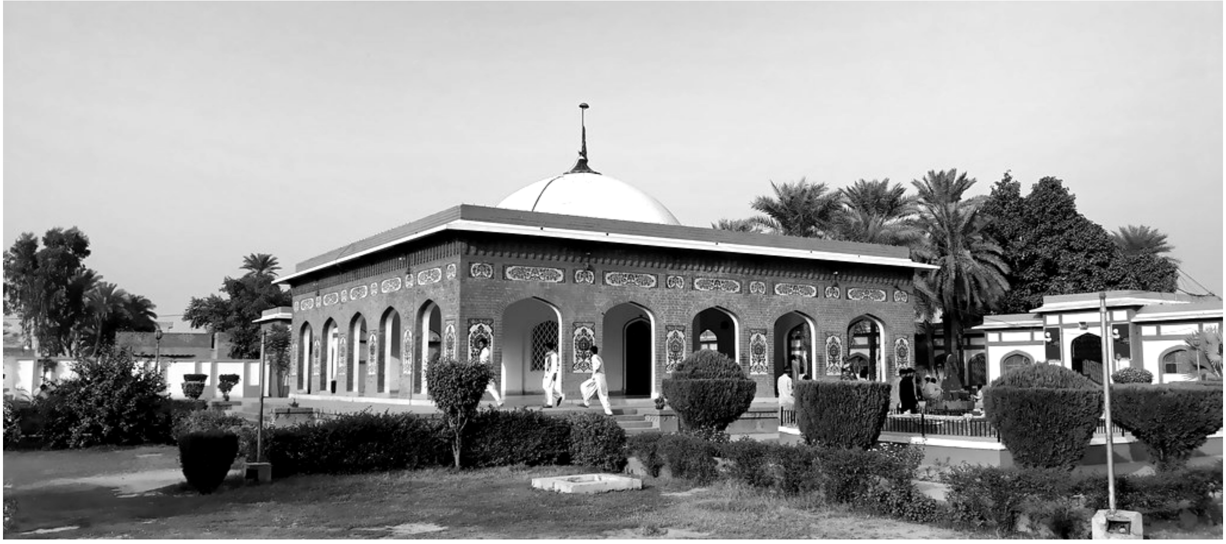

محرومیوں، دکھوں، نفرتوں اور محبتوں کے گیت گاتے ہیں اور انہی کے لفظوں کے سوتی آہنگ سے اظہار کے نئے سے نئے پیر تلاشتے چلے جاتے ہیں۔

ھیر آکھیا عشق دا راہ پوناں نئیں کم ملوانیاں قاضیاں دا
ایس عشق میدان دے کٹھیاں نوں رتبہ کرب وبلادے غاریاں را
ترت وچ درگاہ منظر ہووے سجدہ عاشقان پاک نمازیاں دا
رہ حق دے جان قربان کرنا ایہہ کم نئیں جھوٹے پازیاں دا
(وراث شاہ)

وارث شاہ کے استاد نے اسی لئے ہیر وارث شاہ سن کر کہا تھا کہ تم نے تو مونج کی رسی میں موتی پرو دیئے ہیں۔ جس طرح وارث شاہ نے ہیر وارث شاہ میں پنجاب کی تصویر کشی کی ہے، اسی طرح شاہ عبد اللطیف بھٹائی نے اپنے کلام میں پورے سندھ کو سمیٹ لیا ہے۔ اگر میر وارث شاہ کو سید علی عباس جلال پوری کے الفاظ میں دیوان پنجاب'' کہا جائے تو شاہ کے رسالے کو ''دیوان سندھ'' کہنا چاہئے اور اگر خوشحال خان خٹک اور مست توکلی کے دیوان، دیوان سرحد اور دیوان بلوچستان کہلائیں تو چاروں کی کلیات سے ''دیوان پاکستان'' مرتب ہوتا ہے۔

شاہ عبد اللطیف بھٹائی اور وارث شاہ دونوں سلوک کے منزلوں سے گزر کر عرفان پا چکے تھے اور عشق حقیقی سے سرشار تھے اگرچہ دونوں نے عشق مزاجی کی کٹھنائیوں سے گزر کر ہی عشق حقیقی کا راز پایا تھا۔ عام انسانی جذبات، حزن، مست، قناعت، ہجر، وصال، ضبط نفس، وحدانیت، زمان ومکان، شیفتگی، آشن سری، سروع، انہماک اور والہانہ پن سے وہ انسانیت کی معراج تک پہنچے، حقیقت مطلق تک رسائی کے مراحل سے آشنا ہوئے اور بالاخر معرفت کی منزل پائی۔

جس طرح کنڈھی کھینس کے سینگ بل کھا کر آپس میں لیئے ہوتے ہیں اسی طرح ہمارا محبوب ہماری روح کے ساتھ بل کھا کر لپٹا ہوا ہے۔ عام آدمی کے لئے وحدت الوجود کے پیچیدہ فلسفے کو اس قدر عوامی اور عوام فہم علامات میں شاہ عبداللطیف بھٹائی بیان کرتے ہیں یا پھر وارث شاہ: ہس کھیڈ ناتاں چا منع کیتا اساں دھوئیں گوہے کے ڈھودنے نی وارث شاہ کہیہ جانے انت آخر کھٹے جھونے کہ مٹھے جوونے نی

وحدت الوجود ایسا نظریہ ہے جو تصوف میں سرائیت کئے ہوئے ہے۔ خدا اور اس کے رسول کا عشق ان دونوں پاکستانی صوفی شعراء کے روئیں روئیں میں رچا ہوا تھا: یہ مثل مشہور ہے جگ سارے کرم رب دے جیڑنہ مہر ہے نی کوئی اساں جیھا ولی سدھ ناہمیں جنگ آوندا نظر ظہور جیھا وارث شاہ فقیر بن حرص غفلت یاد رب دی وچ مستان ہووے ایس زلف زبیر محبوب دی وارث شاہ ہوری مجذب کینے

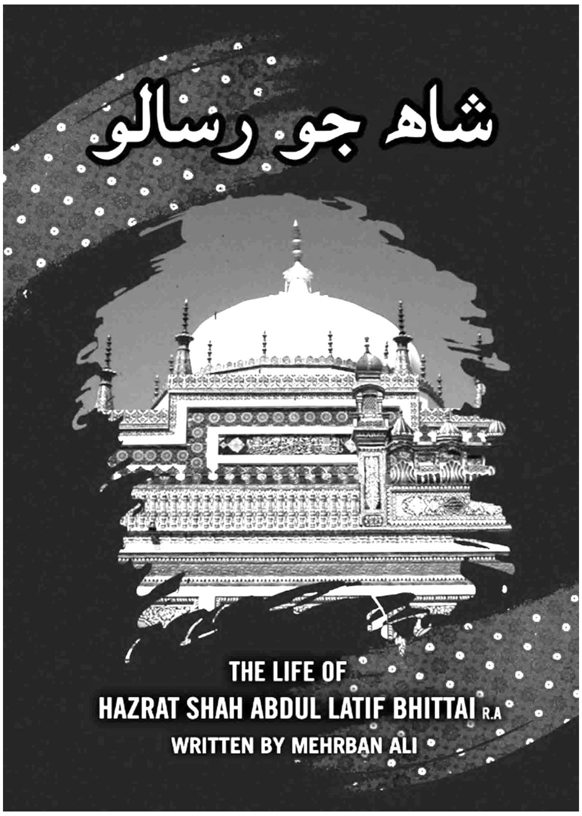

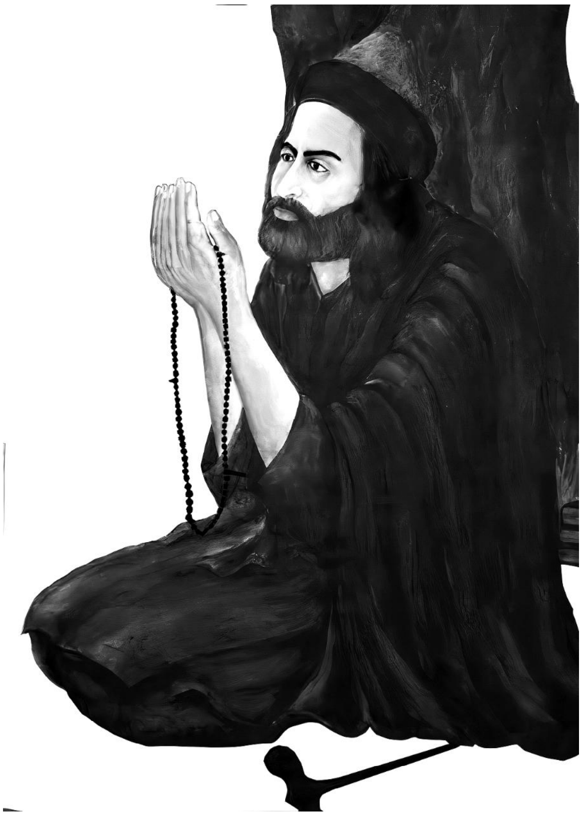

مجھ میں تو موجود
میں انجانی ہوں ابھاگین ہوں
میرے نینوں کے اے ساجن
نین تیرے مسجور
وہی بھید بقا کا پائیں
ہو گئے جو نابود
کرم ہو تیرا نگاہوں پر
آن کر میں وہ جود

—

مانگوں تیری امان
تو ہی گھاٹ کنارا
رحمت کا ہے انت نہ کوئی

(شاہ لطیف)

ہمارے صوفی شعراء نے بد دی علامتوں، نامانوس کرداروں اور انجان قصوں کی بجائے اپنی زمین سے پیوست استعاروں، جانے پہچانے کرداروں اور اسی دھرتی کی مقبول داستانوں کو اپنی باتیں ہم تک پہنچانے کے لئے برتا ہے۔ وارث شاہ نے ہیر رانجھا لکھی، شاہ لطیف نے سی پنوں، سوہنی مہینوال، نوری جام تماچی، مومل رانو، عمران، عمر ماروی، لیلا چنیسر کی روانی داستانوں سے استعارے، تلازمے اور کنائے اخذ کئے۔ دونوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ ان مقبول عوامی کہانیوں کے ذریعے لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں۔

پنوں نے آکر اسے اجلا کیا
کنواریوں نے کپڑے رنگنے سیکھے
اور اس کے رنگ میں رنگ گئیں
پنوں نے ڈرے ہوئے لوگوں کے دلوں سے
خوف نکالا، ٹھکرائی اور دھتکاری ہوئی کنواریاں
سج دھج کر دلہنیں بنیں اور گھونگھٹ اٹھ کر بیٹھ گئیں

وارث شاہ نے جوگیوں، بیراگیوں اور فقیروں کے حالات، معمولات، معرفت اور گیان کے مراحل اعتقادات اور مشکلات پر بڑی تفصیل سے قلم اٹھایا ہے۔ وہ لوگ جو تمام جزئیات، اصطلاحات، قرینوں اور آداب پر مکمل عبور کے

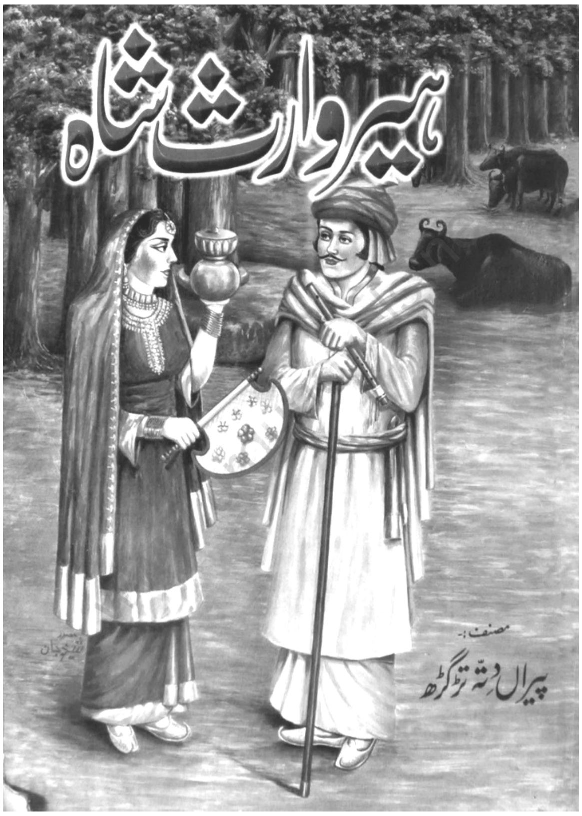

حامل دکھائی دیتے ہیں۔ وارث شاہ کی رمزیت کے مطابق ہر روح اور چاک قلوبیت ہے۔ ایسے ہی شاہ لطیف کے نزدیک عمر ماروی ایک دوسرے کی روح اور جسم ہیں۔ نوری جام تماچی ایک دوسرے کے لئے مین اور تن جیسے ہیں۔ جوگ کا بیان، ہیر وارث شاہ کے 236ویں حصے یعنی تھے کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔ شاہ لطیف بھی تین برس تک جوگی بن کر جانے کہاں کہاں نہیں گھوڑے اور بالآخر انہیں جنگلاج میں جوگ نصیب ہوا:

سچے ہیں سوائی اور بچے ان کے سفر
ہر جگہ موجود محبوب ان کو ھنگلاج ہی میں ملا

انگ بھبھوت رما کر وہ مختلف تیر تھوں، زیارتوں، درگاہوں ،رسوں، میلوں اور مقدس مقامات پر گھومتے رہے۔ لگتا ہے کہ وارث شاہ کبھی انہی تجربات سے گزرے ہیں جن سے شاہ لطیف گزرے تھے۔ ستی کی زبانی جوگیوں کے بارے میں وارث شاہ نے جو کہلوایا وہی خیالات شاہ لطیف نے بھی جوگیوں کے بارے میں ظاہر کئے۔ ان کے خیال میں اس دنیا میں جوگی نوری بھی ہیں اور ناری بھی۔ نو، سنگھ، ناد، لال آنکھیں، گیر دارنگ، چھدرے بہرے کان، منڈے ہوئے سر، گلے میں منکوں کی مالا، بھاوڑی یعنی جوگیوں کے سارے نشان دونوں کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ کام کرودھ، لوبھ اور ھنکار مار کر خاک در خاک ہو کر دونوں جوگی بنے۔ بیراگی ہے کل سنگھ بجا کر لاد چلے:

کبھی وہ بھنکیں پورب بھی جھانکیں بن جنگل
جوگی گئی تاپ رہے نین سے برسے جل
جوں جندن کی لکڑی سلگے سلگوں میں پل پل
کہے کوئی بیراکی آئیں آج نہ کل

رانجھے کے روپ میں وارث شاہ بھی ٹلہ جوگیاں پر حاضری دیتا ہے اور بالناتھ سے جوگ لیتا ہے۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی بھی بالآخر ایک ٹیلے پر ٹھکانہ بناتے ہیں جو ان کے نام سے بھٹ شاہ کہلاتا ہے۔ شاہ لطیف نے کہا:

بیراکی نہ میت کسی کے
کیسی جوگی ذات

سنکھ بجا کر لاد چلے وہ

بیراگی پربھات

وارث شاہ رن فقیر تلوار، گھوڑا چارے تھوک ایہ کے پار ناہیں وارث شاہ اور شاہ عبدالطیف بھٹائی مظلوم اور محروم طبقوں کے ہیں۔ وارث شاہ خود مظلومیت کے شکار تھے اور اپنے دور کے حالات سے مطمئن نہ تھے۔ ان کا رویہ دوٹوک براہ راست اور واضح ہے اور اس کے باوجود شاعرانہ ہے۔ شاہ عبدالطیف بظاہر سیاست سے دور ہیں لیکن انہوں نے نچلے طبقے کے لوگوں میں عزت نفس جگانے کی کوشش کی:

چلو تو جولاہوں کے پاس چلیں

عشق بہت نازک ہوتا ہے

وہ صرف جوڑنا جانتے ہیں

توڑنا تو جانتے ہی نہیں

داستان نوری جام تماچی میں انہوں نے مچھیروں کے مونتازیوں بناہیں کہ سمہ سلطان ان کا ہیرو بن جاتا ہے۔ اس لئے بھی کہ نوری ایک مچھیرن ہے۔ عمر اپنی شاہی کے نشے میں ماروی کو اٹھا کر لے جاتا ہے تو شاہ عبداللطیف بھٹائی کہتے ہیں کہ:

وہ جو بے سہاروں کا سہارا ہے

وہی اگر بے سہاروں کو لوٹنے لگے تو

بے چارے بے سہارا لوگ کس کا سہارا ڈھونڈیں

دوسری طرف ماروی صحرا کو اپنا ستر قرار دیتی ہے۔

وارث شاہ جولاہوں کے گرد بھگت کبیر دھوبیوں کے گرد نام لوہاروں، ترکھانوں کے گرد لقمان کا ذکر کرتا ہے یہاں تک کہ خاکروبوں، تیلیوں، میراثیوں کا المیہ بھی بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ:

عدل بنا سردار ہے رکھ اچھل رن کڈھنی جو وفادارانا ہیں نہیں کعبیوں جو ہزار ہو واقف خبر اجاندے چوہڑے دیاں

بادشاہ توں عدل ہیچین گے وقت آؤسی عمل تلاون دیاں

وارث شاہ نے تو عادل بادشاہ کو بھی تصوف کی علامت بنا دیا۔

عدل راجہ ایہہ نیک نیں عمل تیرے، جسے حیر ایمان دوایا ای لیکن ہیر وارث شاہ اصلاً کوئی علامتی کہانی ہے جبکہ رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری اپنے جوہر میں رمزیاتی زیادہ ہے۔ اس میں کہانی کم بیان ہوئی ہے اور کہانی کے کرداروں کو علامت کے طور پر تخلیق ترفع کے ساتھ برتا گیا ہے۔

شاہ عبدالطیف اور وارث شاہ دونوں اس سرزمین کے مقبول ترین شعراء ہیں۔ دونوں محض صوفی نہیں، عوام کے شعراء ہیں۔ دونوں نے اپنے اپنے معاشرے کی بھرپور عکاسی اس طرح کی ہے کہ ان کے زمانے کے سندھ اور پنجاب اپنی تمام رنگارنگی اور مسائل کے ساتھ ہمارے سامنے سے فلم کی طرح گزرتا چلا جاتا ہے اور ہم جیسے ان کے عہد میں سانس لینے لگتے ہیں۔ ایک ساتھ دونوں شعراء پاکستانی معاشرے کے تنوع میں یک رنگی اور تفریق میں یکجہتی کے آئینہ دار ہیں۔

وارث شاہ برصغیر کی وہ ہستی ہے جس کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وارث شاہ مشہور زمانہ تصنیف ’’ہیر‘‘ کے خالق اور پنجابی زبان کے عظیم صوفی شاعر ہیں۔ وارث شاہ پنجاب کی دھرتی کے ایک تاریخی قصبہ جنڈیالہ شیر خان جو کہ شیخوپورہ سے 14 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے میں پیدا ہوئے۔ انکے سن پیدائش کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا بعض کتابوں میں آپکا سن پیدائش 1150ھ بتایا جاتا ہے۔ آپکے والد کا نام سید گل شیر شاہ تھا۔ ابھی کمسن ہی تھے کہ علم حاصل کرنے کی غرض سے قصور کی جانب روانہ ہوئے اور حضرت مولانا غلام مرتضٰی جو کہ اسوقت قصور میں ہی تشریف فرما تھے کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ سید وارث شاہ نے حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کے خاندان میں بیعت کی۔■

مادر جمہوریت بیگم نصرت بھٹو
جرات اور برداشت کی علمبردار

محمود خان

بیگم نصرت بھٹو 23 مارچ 1929ء کو ایران کے صوبے اصفہان میں پیدا ہوئیں۔ 8 ستمبر 1951ء کو ذوالفقار علی بھٹو سے کراچی میں ان کی شادی ہوئی۔ 5 جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق نے جب ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ختم کی تو شوہر کی پھانسی کے بعد بیگم نصرت بھٹو نے پیپلز پارٹی کو منظم کیا اور شعبہ خواتین کی بنیاد رکھی۔ بیگم نصرت بھٹو نے اپنی زندگی میں شوہر کی پھانسی، دو بیٹوں اور بیٹی کی موت کے غم سہے۔ پے درپے صدمات جھیلنے والی بیگم نصرت بھٹو 23 اکتوبر 2011ء کو دبئی میں خالق حقیقی سے جا ملیں۔ انہیں گڑھی خدا بخش لاڑکانہ میں ذوالفقار علی بھٹو کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ ہر سال کی طرح امسال بھی پاکستان پیپلز پارٹی کی جانب سے محترمہ بیگم نصرت بھٹو کی بارہویں برسی انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ منائی گئی، اس موقع پر مختلف علاقوں میں پی پی پی کارکنوں اور ان کے چاہنے والوں نے قرآن خوانی کی اور لنگر تقسیم کیا گیا۔ مادر جمہوریہ بیگم نصرت بھٹو جمہوریت کی ماں کہلاتی تھیں، ان کی جمہوری جدوجہد کو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، بیگم نصرت بھٹو جمہوریت کی علمبردار تھیں، جن کی بدولت عوام کی ترقی، خوشحالی اور ترقی کی راہیں ہمیشہ روشن رہتی ہیں، بیگم نصرت بھٹو کی جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے خلاف مزاحمت اٹل رہی۔ ملک میں آج کی جمہوریت کو اگر دیکھا جائے تو یہ سب بیگم نصرت بھٹو کی جدوجہد کا ثمر ہے۔ انہوں نے جمہوریت کیلئے بڑی

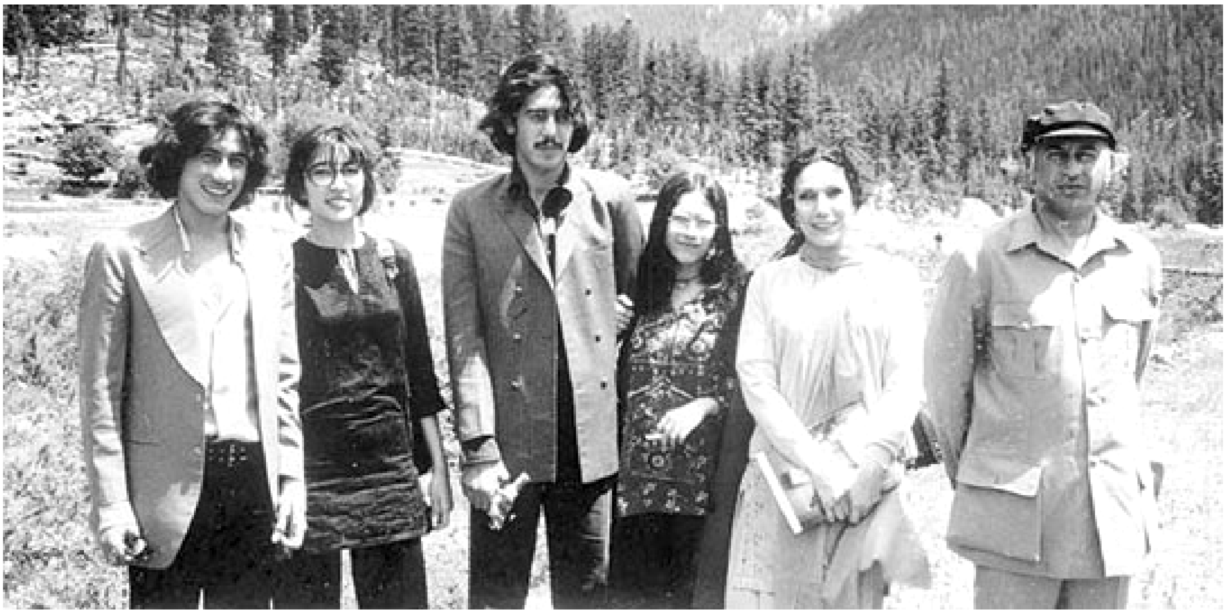

جدوجہد کی، مختلف اوقات کے دوران لاٹھی چارج کر کے انہیں لہولہان بھی کر دیا گیا مگر اپنی جمہوری جدوجہد سے ایک انچ پیچھے بھی نہیں ہٹیں۔ پاکستان میں جمہوریت متعارف کرانے کا اعزاز پاکستان پیپلز پارٹی کو حاصل ہے، پیپلز پارٹی نے خون کے دریا عبور کر کے ملک میں جمہوریت کی بقا کیلئے جدوجہد کی۔ اس حوالے سے بیگم نصرت بھٹو کی جدوجہد پاکستان کی سیاسی جدوجہد کا روشن باب ہے۔ جمہوریت کے چاہنے والوں کو بیگم نصرت بھٹو کے جلائے ہوئے چراغوں سے راستہ تلاش کرنا ہوگا۔ لہذا بیگم نصرت بھٹو نے آئین و جمہوریت کی جدوجہد میں جراتمندانہ کردار ادا کیا۔ بیگم نصرت بھٹو کی شہرت ذوالفقار علی بھٹو کی دوسری بیوی کے بطور رہی، اس کی اولاد بے نظیر بھٹو، مرتضی بھٹو، شاہنواز بھٹو، اور صنم بھٹو ہیں۔ نصرت بھٹو نسلاً ایرانی صوبہ کردستان سے تعلق رکھتی تھیں۔ بھٹو کو پھانسی کے بعد پیپلز پارٹی کی سربراہ بھی رہی۔ انہوں نے ثابت کر کے دکھایا کہ ماں ہو تو نصرت بھٹو جیسی، بیوی ہو تو ان جیسی اور قائد ہو تو نصرت بھٹو جیسی۔ مادرِ جمہوریت نے سیاست کے حوالے سے جمہوری کارکنوں کو یہ سکھایا کہ برداشت اور صبر سے بڑی کوئی جراًت نہیں، ظلم کے اندھیروں میں آوازِ حق بلند کرنے سے زیادہ کوئی اطمینان نہیں، وہ ہمت، عزم اور استقلال کا منارہ نور تھیں۔ بیگم نصرت بھٹو اور ان کے اہلخانہ کی جدوجہد کے بغیر پاکستان کی سیاسی تاریخ نامکمل ہوگی، مادرِ جمہوریت نے ظلم و جبر کا مقابلہ کیا اور ذاتی سانحات برداشت کئے، بیگم نصرت بھٹو نے اپنے غم کو طاقت میں تبدیل کر کے عوامی حقوق کی حفاظت کی، پارٹی قیادت اور جیالے مادرِ جمہوریت کو صرف آج کے دن نہیں، ہر روز یاد کرتے ہیں۔

یہ امر حقیقی ہے کہ مادر جمہوریت بیگم نصرت بھٹو کی ملک، عوام اور جمہوریت کیلئے جدوجہد بے مثال ہے۔ مادر جمہوریت بیگم نصرت بھٹو ملک، عوام اور جمہوریت کیلئے قربانیوں کی ایک تاریخ ہے، بیگم نصرت بھٹو نے وقت کے آمروں اور غاصبوں کا بہادری سے مقابلہ کیا، مادر جمہوریت بیگم نصرت بھٹو نے آئین اور جمہوریت کی بحالی کیلئے مفاہمت کا سبق دیا، ان کی جدوجہد ملک اور جمہوریت کے لیے تھی، لہذا بیگم نصرت بھٹو کی قربانیوں کی ایک تاریخ ہے، انہوں نے اس وقت کے طاقت ور آمروں اور غاصبوں کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ دنیا کی سیاسی تاریخ میں اس بہادری کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے جمہوریت اور عوام کے لیے ناقابل برداشت ظلم برداشت کرتے ہوئے جمہوریت اور آئین کی

بحالی کے لیے عوامی جدوجہد کی قیادت کی۔ بیگم نصرت بھٹو نے سیاست میں صبر اور مفاہمت کا درس دیا جو ایک بہترین راستہ ہے۔ مادر جمہوریت بیگم نصرت بھٹو ایک ثابت قدم اور قدآور شخصیت تھیں۔ بیگم نصرت بھٹو نے جس بہادری سے شہید بھٹو کا مشن آگے بڑھایا وہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، انہوں نے پیپلز پارٹی اور ایم آر ڈی تحریک کو متحرک کرنے میں جو کردار ادا کیا وہ ہی جمہوریت کی بقا کا سبب بنا۔ بیگم نصرت بھٹو کو جمہوریت کا علم بلند کرنے، آمریت کے خلاف طویل جمہوری و سیاسی جدوجہد اور لازوال قربانیوں کے حوالے سے جمہوری سیاست میں ہمیشہ سنہرے الفاظ میں یاد رکھا جائے گا۔ ان کی ملک، عوام، آئین و جمہوریت کے لیے خدمات رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی۔ انہوں نے مشکلات کا صبر سے مقابلہ کرنے اور آمریت سے لڑنا سکھایا۔ مادر جمہوریت ایک قدآور شخصیت تھیں، ایسی خاتون تھیں جنہوں نے بہادری سے بحرانوں کا مقابلہ کیا، سانحات سے گزریں لیکن جمہوری جدوجہد سے پیچھے نہیں ہٹیں۔ بیگم نصرت بھٹو نے قائدِ عوام کے عدالتی قتل کے بعد انہوں نے ناقابل تصور حد تک مشکل حالات کا مقابلہ کیا۔ بیگم نصرت بھٹو ایک باوقار، حوصلہ مند اور تاریخ ساز رول ماڈل شخصیت تھیں، قائدِ عوام کے عدالتی قتل کے بعد انہوں نے ناقابل تصور حد تک مشکل حالات کا مقابلہ کیا، بیگم بھٹو نے اپنے گلشن کی قربانی دے کر پاکستان میں جدوجہدِ جمہوریت کو ناقابل تسخیر بنایا۔ تاہم مادر جمہوریت نصرت بھٹو کی برسی پر جمہوریت کے علمبرداروں نے بھرپور انداز میں انہیں جمہوریت اور آئین کی بالادستی کیلئے جدوجہد پر خراج عقیدت پیش کیا، ان کی جدوجہد پوری قوم کے لیے ایک روشن شمع کی مانند ہے جو تاریک راہوں کو منور کرتی رہے گی، بیگم نصرت بھٹو شہید ذوالفقار علی بھٹو کے سیاسی سفر میں ہر قدم پر ان کے ساتھ رہیں، مادر جمہوریت نے آمریت کے دور کی صعوبتیں برداشت کی اور قائد عوام کی پارٹی کو زندہ بھی رکھا۔ نصرت بھٹو نے بہادری سے شہید بھٹو کا مشن آگے بڑھایا اور آمروں سے مقابلہ کیا۔ ■

خواتین پر تشدد کے خلاف عالمی دن

شہناز اختر

نومبر میں خواتین پر تشدد کے خلاف عالمی دن منایا جاتا ہے نومبر کے آخری ہفتے میں یہ مہم چلائی جاتی ہے کہ خواتین پر ہونے والا ظلم و ستم تشدد ختم ہونا چاہئے۔اقوام متحدہ 25 نومبر سے اگلے سولہ دن خواتین کے خلاف تشدد پر آگاہی کی مہم شروع کرتا ہے جس کا مقصد خواتین پر تشدد کو روکنا ہے اور خواتین کے حقوق کے حوالے سے آگاہی دینا ہے۔

حیرت ہے کہ حد سے زیادہ ترقی کرتی ہوئی دنیا میں آج بھی عورت معاشرتی مقام سے محروم ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ جنگ وجدل کے زمانے میں مفتوح قومیں مال وزر کے ساتھ خوب صورت عورتوں کے نذرانے فاتحین کو پیش کیا کرتی تھیں۔ میدان کارزار میں عورتوں کا بازار سجا کر انہیں غیر مردوں کے حوالے اس لئے کر دیا جاتا تھا کہ ان کے مرد جنگ ہار چکے ہوتے تھے۔اور ان کی گردنیں یا تو قلم ہو چکی تھیں یا ان میں غلامی کا طوق پڑ چکا ہوتا تھا۔اگر مفتوح عورتوں کے مرد جنگ جیت جاتے تو دوسری طرف کی عورتیں ان کے حوالے کر دی جاتیں کہ جنگوں میں ہار جیت کا یہ دستور تھا، جیسے خاموش تشدد کہا جاتا، لیکن دونوں حالتوں میں عورت ایک ناقابل تلافی نقصان کا شکار رہی۔ تشدد کا شکار صرف غریب عورت نہیں ہے اچھی خاصی امیر پڑھی لکھی عورتیں بھی گھریلو تشدد کا شکار ہیں۔

عورتوں کو ہمت کر کے آواز اٹھانا ہوگی اور حکومت اداروں اور معاشرے کو انکا ساتھ دینا ہوگا۔ تشدد کا شکار عورت ٹوٹ جاتی ہے اسکا اعتماد ختم ہو جاتا ہے اس کو مختلف جسمانی اور ذہنی بیماریاں ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ تشدد کو

روکیں اپنے گھر والوں سے بات کریں یہ غلط ہے اگر بات نہیں بنے تو اسکی اطلاع پولیس کو کریں۔

عورتوں پر تشدد کے بہت سے اقسام ہیں جن میں جسمانی تشدد، نفسیاتی استحصال، مالی تنگی، گالی گلوچ کرنا، ہراساں کرنا شامل ہے۔ یہ تشدد شوہر، سسرال، خاندان والو، جاننے والو اور اجنبیوں کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ گھریلو تشدد کو خاص طور پر پاکستان میں نظرانداز کیا جاتا ہے ہمارے ملک میں خواتین کو چپ رہنے کے لئے کہا جاتا ہے اور بہت سے کیسز میں عورتیں خود بھی نہیں گھریلو تشدد رپورٹ کرتی کہ خاندان کی بدنامی ہو گی۔

بین الاقوامی فورم کی ایک رپورٹ کے مطابق گزشتہ دہائی میں مشرق وسطیٰ اور مشرقِ بعید کے بیش تر ممالک میں عورتوں پر تشدد کے واقعات میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ رپورٹ کے مطابق پوری دنیا میں سب سے زیادہ کشمیری عورتیں، بھارتی فوجیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنیں۔ بوسنیائی عورتیں دوسرے اور فلسطینی عورتیں تیسرے نمبر پر تختہ مشق بنیں۔ جنگوں، بغاوتوں اور سیاسی ابتری کے شکار ممالک کے علاوہ پرامن، مہذب اور ترقی یافتہ ممالک میں بھی ریپ کی وارداتوں میں فکرانگیز حد تک اضافہ ہوا ہے۔ امریکا، برطانیہ، فرانس، ڈنمارک، ہالینڈ اور جرمنی میں ایسی وارداتوں کے اعداد و شمار اکٹھے کرنے والے یونٹوں کو چونکا دیا ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ میں درج ہے کہ، امتیازی سلوک سے تشدد یا بدسلوکی کی فضا پیدا ہوتی یا ہموار ہوتی ہے۔ تمام ممالک کو ایسے بین الاقوامی اور علاقائی معاہدوں کی توثیق کرنا چاہیے جو تشدد یا بدسلوکی کے خلاف تحفظ کو استحکام دیتے ہیں۔ ان معاہدوں میں un convention on the elimination of all forms of discrimination aganist women اور اس کا آپشنل پروٹوکول، جس کے تحت انفرادی شکایات کی جاسکتی ہے، شامل ہیں۔ رپورٹ کے مطابق امتیازی سلوک کے خلاف جنگ کا آغاز تو ہو گیا ہے۔ 1995ء میں بیجنگ میں اقوام متحدہ کی عالمی کانفرنس میں خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کے لیے کیے گئے حکومتوں کے وعدے اور 2000ء میں بیجنگ کانفرنس میں کی گئی تجدید عہد کو فوری طور پر نافذ

کیا جانا چاہیے، تاکہ جنگ کے بادل چھٹ جائیں۔ لیکن تاحال کچھ نہ ہوا۔ رپورٹ میں یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ قحط زدہ علاقوں ایتھوپیا اور صومالیہ میں روٹی کے ایک ٹکڑے کی خاطر لڑکیوں کو ہوس کا نشانہ بنایا گیا، ان پر تشدد کیا گیا۔ اقوام متحدہ نے اپنی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا کہ افغانستان میں لاکھوں خواتین فرسودہ روایات، بچپن میں شادی، غیرت کے نام پر قتل اور دیگر رسومات کے باعث متاثر ہو رہی ہیں اور ان کے بنیادی حقوق پامال ہو رہے ہیں۔

اکیسویں صدی میں بھی عورت پر تشدد، ان کی چیخ و پکار اور مظلومیت کی داستانیں عالمی سطح پر سنی تو جا رہی ہیں لیکن آخر کب تک؟ کب تک وہ اعلان ناموں سے خوش ہوتی رہیں گی؟ یہ کڑوا سچ ہے کہ پوری دنیا میں تشدد کی شکار خواتین کو انصاف نہیں ملتا، خواہ تشدد گھروں میں کیا جائے یا جیل خانوں میں یا مسلح تنازعات ہیں۔ احتسابی عمل کے فقدان کی وجہ سے ایک ایسی فضا پیدا ہو چکی ہے، جس میں بدسلوکی اوت تشدد کا ارتکاب آسان سے آسان تر ہوتا جا رہا ہے۔

انڈیا ٹوڈے کی ایک رپورٹ کے مطابق نرائٹر ٹرسٹ گروپ نے بھارت کو ایسے ممالک کی فہرست میں شامل کیا ہے جو خواتین کے لیے غیر محفوظ ہوتے جا رہے ہیں بھارت میں خواتین کے خلاف گھریلو تشدد، زیادتی اور اجتماعی زیادتی کے واقعات میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ زیادتی کا شکار خواتین کو مجرم سمجھنے کا رویہ بھی ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ اصل مجرموں کو سزا نہیں ملتی، پھر ریپ کے جو مقدمات درج کرائے جاتے ہیں ان میں فیصلہ ہونے کی شرح صرف 26 فی صد ہے۔

عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمے کا اعلان نامہ، جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1993ء میں منظور کیا تھا۔ اس امر کی توثیق کرتا ہے کہ، ریاستوں کو پوری تن دہی کے ساتھ تشدد کے واقعات کو روکنا چاہیے۔ ان کی تفتیش کرنی چاہیے اور ان جرائم کے مرتکب افراد کو اپنے ملک کے قوانین کے مطابق سزا دلوانی چاہیے، خواہ تشدد ریاست کی جانب سے ہو یا اس کا ارتکاب عام افراد نے کیا ہو۔ لیکن بیش تر حکومتیں ایسے اقدامات کرنے میں تاحال ناکام ہیں، جن سے خواتین پر تشدد کا خاتمہ ہو سکے۔■

IQ اور EQ کیا ہوتا ہے؟

یسریٰ سلیم

انسان میں سب سے بہتر چیز لانا شاید ان سب سے قابل تعریف اور عمدہ کاموں میں سے ایک ہے جو آج نفسیات کر رہی ہے۔ چونکہ نفسیاتی سائنس نے اس کے مطابق ہونا شروع کیا ہے، اس کے بعد ہمیشہ اس بات پر خصوصی زور دیا جاتا تھا کہ انسان کے ساتھ کیا غلط ہے: ذہنی عوارض، لاشعوری اور سگمنڈ فراڈ نظریہ. اب بھی جو نظریہ نفسیات کا ہے وہ اب بھی بہت ساری جگھوں پر اور ایک طرح سے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ فروغ پانے والے ایک طرح کے پاگل پن کا ہے۔

دنیا کو جذباتی ذہانت اور مثبت نفسیات ایک انسان بننے کی صلاحیت بھی دیتی ہے۔ مجھے گھیرنے والی ہر چیز (ریفیکیشن) کے سامنے اپنا آپ نہیں کھونا اور سب سے بڑھ کر، ٹولز کو پوری طرح سے زندگی گزارنے کے قابل بنانا جذباتی ذہانت ان نئے رجحانات میں سے صرف ایک ہے جس میں نقطہ نظر، انسان کے کمزور پہلو کو فراموش کیے بغیر، اس حقیقت پر زیادہ نظر آتا ہے جو ہم واقعتاً اچھے کام کرتے ہیں: جذبات کا مثبت جائزہ، خوشی کی تلاش اور اس کا حصول، محبت، طاقت اور خوبیاں، اہداف کو حاصل کرنے کے قابل کچھ ایسے

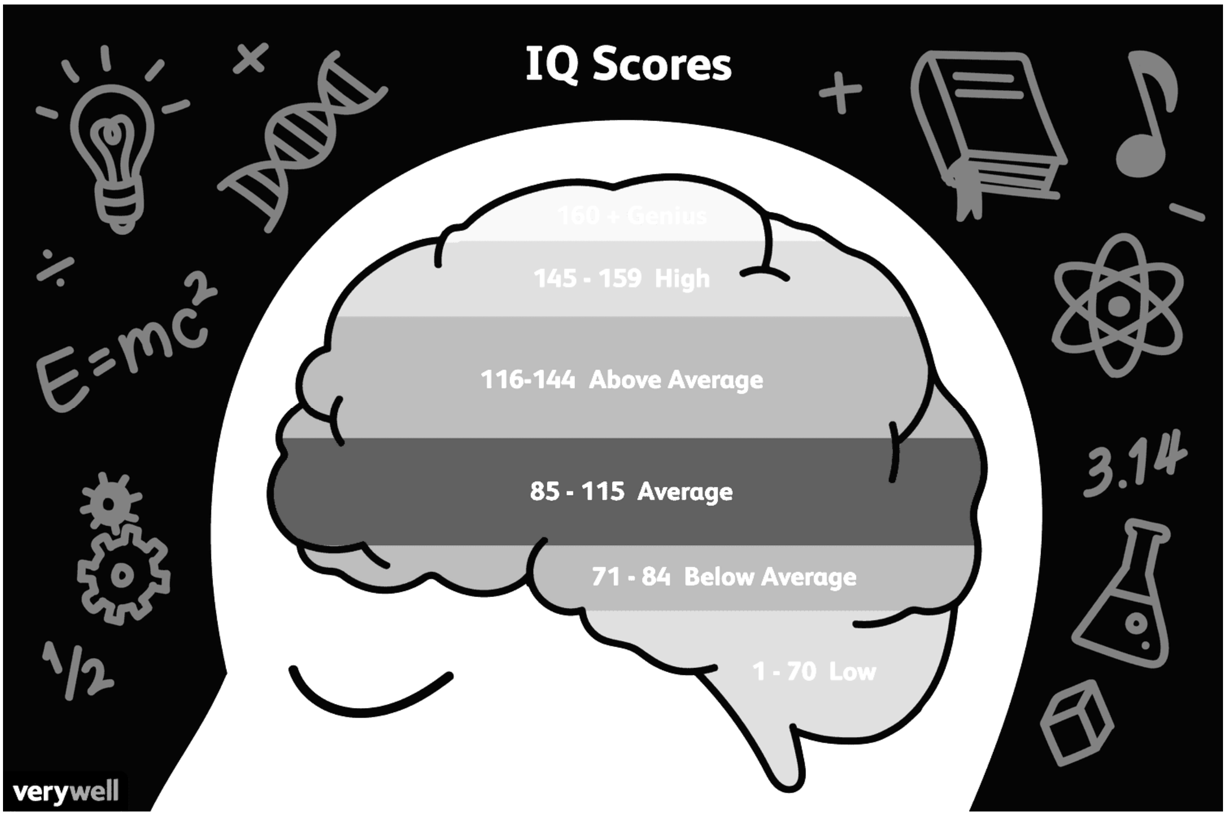

نئے شعبے ہیں جیسے نفسیات انسان کی مدد کرنا چاہتی ہے۔

1905ء میں الفرڈ بینٹ نے ذہانت کی پیمائش کے لئے آئی کیو (IQ) یعنی 'انٹیلی جنس کوشنٹ' کا تصور دیا اور پہلی بار ذہنی عمر کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریے کے بعد ثابت ہوا کہ انسان کی طبعی عمر کے علاوہ، اس کا ذہن بھی عمر کی منازل طے کرتا ہے، تاہم ذہن کی عمر کا اس کی طبعی عمر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بہ الفاظ دیگر، یہ نظریہ کہتا ہے کہ آئی کیو کی بنیاد پر ایک کم عمر بچے کی ذہنی عمر کسی پختہ عمر کے فرد سے زیادہ ہوسکتی ہے۔ 1990ء کے وسط میں نفسیات کے ایک امریکی پروفیسر ڈینیل گولمین نے پہلی مرتبہ ای کیو (EQ) یعنی اِیموشنل کوشنٹ کا نظریہ متعارف کروایا، اس کا تعلق انسان کی جذباتی ذہانت سے ہوتا ہے۔

اب، اس حقیقت کا سامنا کرنا پڑا کہ جس دنیا میں ہم رہ رہے ہیں، اس پر نفسیات نے ایک اصل اصول کی طرف لوٹنا، حقیقت میں، واپس کرنے کا انتخاب کیا ہے۔ اپنے آپ کو جانئے۔ اتنا ہی پرانا اوریلیکل آف ڈیلفی Oracle Of Delph? جہاں سے لیجنڈ کہتا ہے کہ یہ ابھرا اور ہمیشہ اہم ہے کیونکہ انسان اپنے معاشرتی اور تاریخی حالات میں تبدیلی سے قطع نظر ہمیشہ ایک جیسے رہتا ہے۔ یہ قول، بہت ہی پرانا اور ہمیشہ نیا ہے، آج اس کا ترجمہ نام نہاد جذباتی ذہانت میں کیا گیا ہے جس کی ترجمانی بڑے پیمانے پر "کسی کے اپنے جذبات کو جاننے، سمجھنے اور سنبھالنے کی صلاحیت یا قابلیت" کے طور پر بیان کی جاسکتی ہے۔

اس طرح جذبات کا تصور انسان کے وجود کے لئے کسی خارجی چیز کے طور پر نہیں ہوتا، بلکہ پوری طرح کے ایک لازمی حصے کے طور پر استدلال کے دائرے میں داخل ہونے کے قابل ہوتا ہے۔ اور، اس کے نتیجے میں، فرد اور معاشرے کی بھلائی کے لیے چینل کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جذبات مظلوم یا قابو پانے کے دشمن نہیں ہیں بلکہ انکشاف کرنے کا ایک ایسا طریقہ ہے، جو تشکیل پانے اور گرفت میں لانے کے قابل ہے تاکہ وہ شخص ان کی پوری صلاحیت کو پورا کر سکے، نہ صرف ایک اور زندگی صحت مند ہو اور ہم آہنگی، بلکہ اس میں پیدا ہونے والی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بھی۔

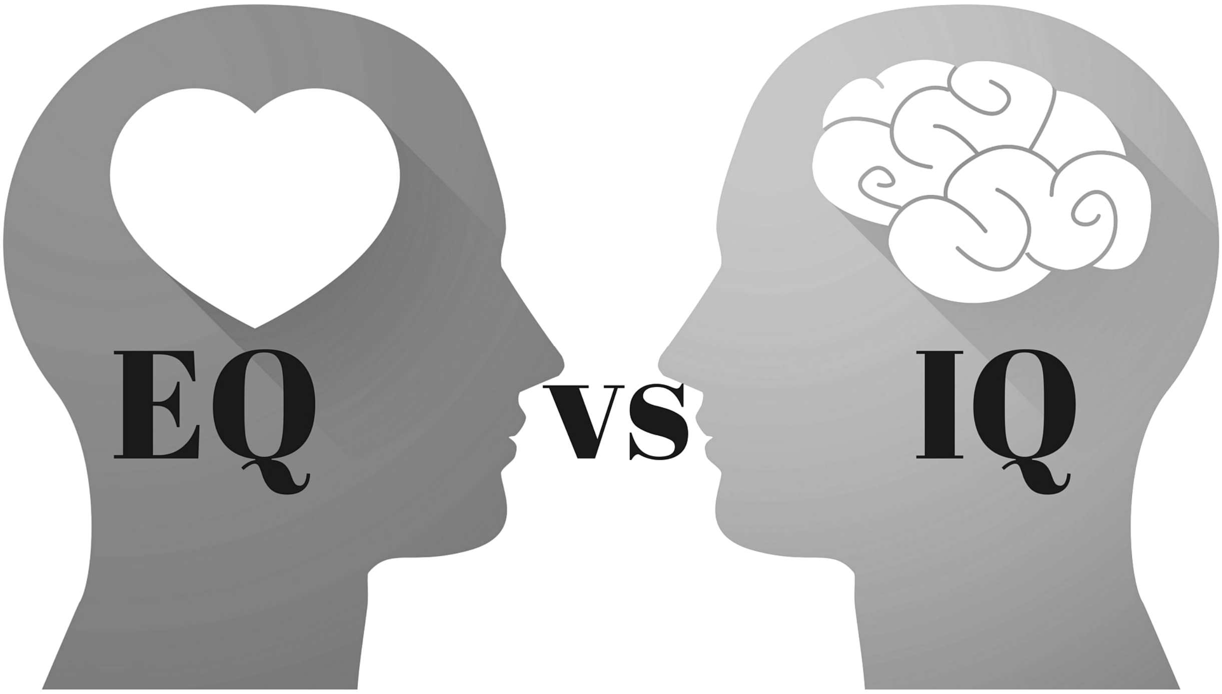

اگر کوئی شخص زندگی کے دیگر معاملات میں اپنے جذبات پر قابو رکھنا اور انہیں درست طریقے سے استعمال کرنا جانتا ہے تو یقیناً اس کا EQ بہت اچھا ہوگا۔ ماہرین کے مطابق EQ دراصل شعور کی ایسی حالت ہے جس میں انسان دکھ سکھ، خوشی اور غم، غصہ اور نفرت، پیار و محبت اور دیگر تجربات سے گزرتا ہے۔ انسانی نفسیات کے ماہرین کے مطابق بہتر EQ نئی صدی میں کامیابی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اگر آپ اس مقام تک پہنچ گئے تو آپ عام انسان کے مقابلے میں معاشرے میں کہیں زیادہ کامیاب اور مقبول سمجھیں جائیں گے۔ آپ کے تعلقات کا دائرہ بھی وسیع ہو گا۔ EQ نظریے کے ماہرین کا کہنا ہے کہ 21 ویں صدی میں EQ نہ صرف لوگوں کی ذاتی زندگی میں بلکہ ان کے کاروبار میں بھی نمایاں مقام حاصل کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ سمیت یورپی ممالک میں EQ آجکل موضوع بحث بنا ہوا ہے۔

کسی بھی بہتر EQ والے فرد میں پانچ چیزوں کو خصوصاً دیکھا جاسکتا ہے۔

1۔ خود آگاہی (Self Awareness)

2۔ ضبط نفس (Self Control)

3۔ کام کی لگن یا تحریک (Motivation)

4۔ ایک دوسرے کا احساس کرنا (Empathy)

5۔ معاشرتی سمجھ بوجھ (Social Skills)

ان خصوصیات سے بہتر EQ والے افراد کی شناخت کی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے اعلیٰ IQ کا ہونا ضروری نہیں۔ کوئی بھی نارمل ذہنیت کا حامل شخص یہ خصوصیات اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے لیکن EQ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ دکھ یا غم ملنے پر افسردہ نہ ہوں یا خوشی کی بات پر خوش نہ ہوں یا غصے کا اظہار نہ کریں، بلکہ EQ ان حالات سے بہتر طور نمٹنے کا نام ہے۔ نرم اور محبت آمیز رویہ انسانی زندگی پر مثبت اثرات چھوڑتا ہے، اس لئے EQ میں تحمل مزاجی پر زور دیا جاتا ہے۔ EQ کی اہمیت صرف ہمارے عام معاملات زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ تعلیم، سماجی و ازدواجی تعلقات، اولاد اور والدین کے معاملات سمیت زندگی کے ہر شعبے میں ہمارے لئے مددگار ثابت ہوتا ہے۔

جذباتی ذہانت اپنے اور دوسروں کے جذبات کو

اظہار

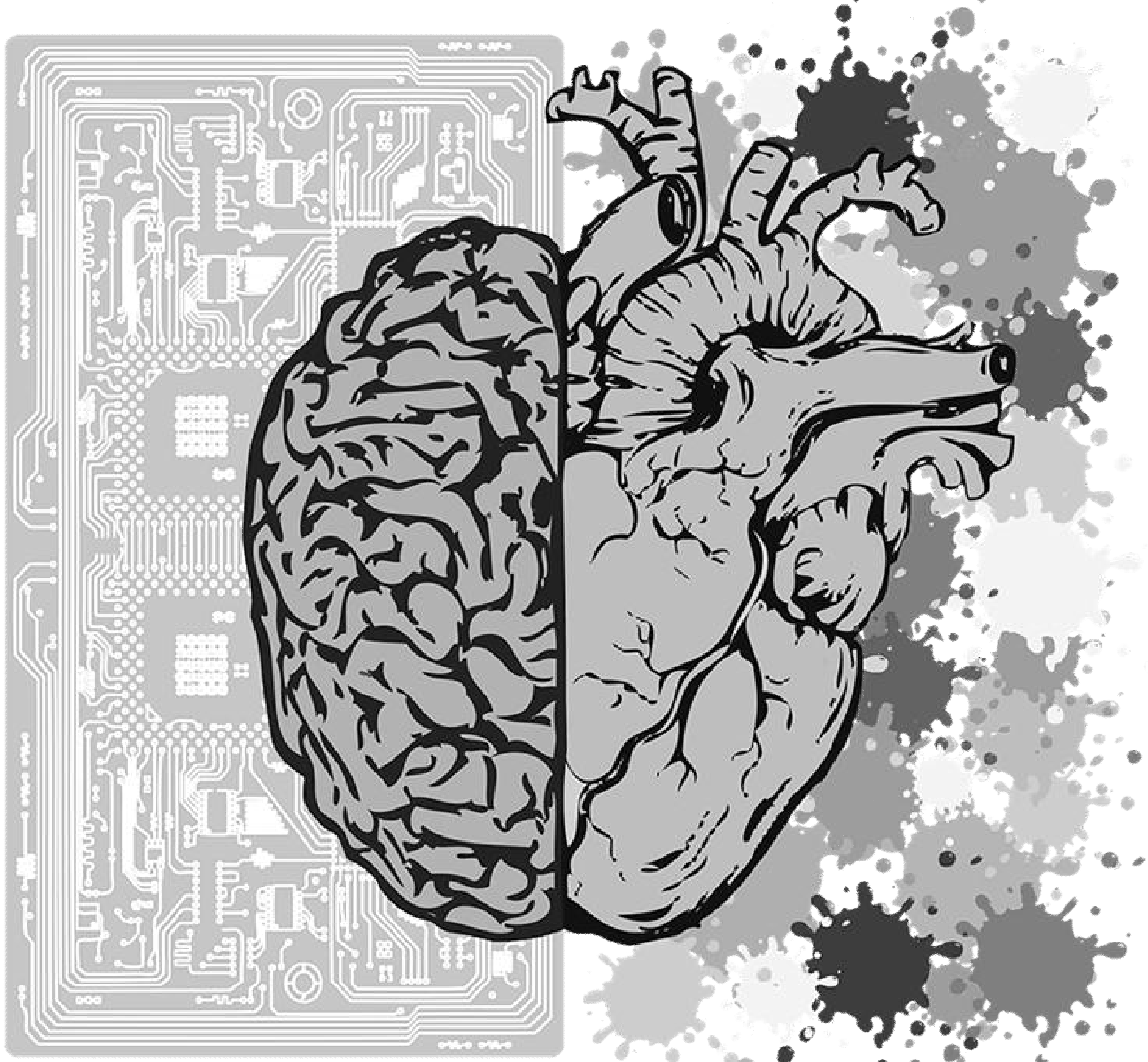

پہچاننے، سمجھنے اور ان کو اپنے قابو میں رکھنے کا نام ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ جذباتی طور پر زیادہ ذہین ہوتے ہیں، وہ اپنے کام اور رشتوں میں زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ جذباتی ذہین لوگ اپنے جذبات پر نہیں چلتے بلکہ وہ اپنے جذبات کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتے ہیں۔ جذباتی ذہین لوگوں کو اپنی ذات کا شعور ہوتا ہے بلکہ اگر ان کی جذباتی ذہانت کو مہمیز ملے تو ان میں دوسروں کے جذبات کو سمجھ کر ان کے مطابق چلنے یا نہ چلنے کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی بڑھ جاتی ہے۔

ڈینیل گولمین کہتے ہیں، ''اگر آپ کے جذبات آپ کے قابو میں نہیں، اگر آپ کو خود آگہی نہیں، اگر آپ پریشان کن جذبات کو منظم نہیں کر سکتے، اگر آپ کے اندر شفقت نہیں، اگر آپ کے تعلقات لوگوں سے مناسب نہیں، تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کتنے ذہین ہیں کیونکہ آپ زیادہ دُور نہیں چل سکیں گے''۔ جذباتی ذہانت ہر شخص میں ہوتی ہے، البتہ یہ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہو سکتی ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ آپ اپنی جذباتی ذہانت کو پروان چڑھا سکتے ہیں۔

کئی بار آپ خود کو کچھ وقت کے لیے تناؤ کا شکار محسوس کرتے ہیں، عام طور پر اس پر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر جب آپ کو ایک پراجیکٹ پر کام کرنا ہوتا ہے یا لوگوں کے سامنے خطاب کرنا

ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کو پیٹ میں گڑ گڑاہٹ سی محسوس ہو اور ہتھیلیوں پر پسینہ بہنے لگے۔ مگر اکثر اوقات منفی جذبات بہت زیادہ پر تناؤ ثابت ہوتے ہیں، جیسے آپ فکر مند، غصہ، خوفزدہ یا چڑچڑاہٹ کے شکار ہوں تو اس طرح کا تناؤ آپ کے لیے اچھا نہیں ہوتا اور طویل المعیاد بنیادوں پر سنگین مسائل کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

اگر آپ کے ذہنی تناؤ کو طویل عرصے تک خود پر طاری رہنے دیں تو اس سے جسمانی، ذہنی اور جذباتی صحت پر تباہ کن اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، خصوصاً جب یہ دائمی بن جائے۔ دائمی تناؤ کی انتہائی علامات سے آگاہی کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ اس سے بچ سکیں۔

فلموں میں جذباتی ذہانت کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ذیل میں کچھ مخصوص مثالیں ہیں اور جذباتی ذہانت کے شعبوں کی نمائندگی مختلف جنسوں میں ہوتی ہے۔ یہ اتنا طاقتور ہوتا ہے جب کوئی فلم جذبات کو ابھار سکتی ہے، لیکن آپ کو یہ سوچنے پر بھی مجبور کرتی ہے کہ حقیقی زندگی میں اس جذبات کو سنبھالنا کیسا ہے۔

فلموں میں جذباتی ذہانت کا ایک ناقابل یقین مظاہرہ ہوتا ہے۔ تمام رنگین کردار ایک نوجوان لڑکی کے بنیادی جذبات کی نمائندگی کرتے ہیں جو اپنی زندگی میں مشکل وقت کا سامنا کر رہی ہے۔ اس فلم کا بھرپور جذباتی مواد اس موضوع پر سکھانے کے لیے ایک بہترین سبق ہو سکتا ہے۔

جذبات اہمیت رکھتے ہیں اور کبھی کبھی ٹھیک نہ ہونا ٹھیک ہے۔ بچے جانتے ہیں کہ جذبات ایک وجہ سے ہوتے ہیں، یہ خود کو سنبھالنا سیکھنے کا ایک بہترین تعارف ہے۔ آپ کے احساسات اور جذبات، طاقتیں اور کمزوریاں کیا ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انہیں کیا چلاتا ہے؟ اس کے علاوہ، ایک فہرست بنائیں اور پھر اپنی اقدار اور اہداف کا جائزہ لیں، اور

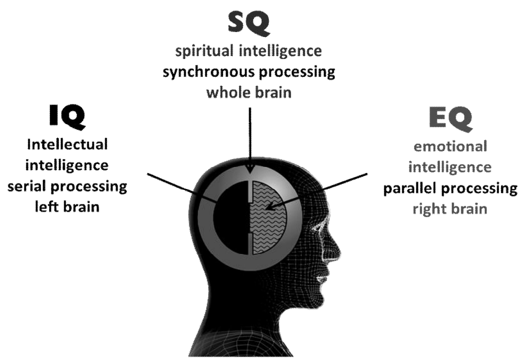

آپ زندگی میں کہاں جانا چاہتے ہیں۔ تیسرا حصہ اعتماد ہے، یہ سمجھنا کہ کون سی چیز آپ کو تحریک دیتی ہے، آپ کی طاقتیں اور حدود، یہ سوچنا کہ آپ کس چیز میں اچھے ہیں اور آپ کس کام کو بہتر بنانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

اس بات کو نوٹ کریں کہ دوسرے کیا محسوس کر رہے ہیں، اپنے خدشات کے بارے میں سراغ تلاش کریں، اور انہیں تسلیم کریں۔ خدمت پر مبنی ہونے کی کوشش کریں، سننا بات کرنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے، لہذا توجہ دینا یاد رکھیں اور بہت زیادہ مداخلت نہ کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے صارفین کو یہ سمجھنے کے لیے سنیں کہ وہ کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔ جذباتی ذہانت کو ہر روز ہمارے گلے کا ہار ہونا چاہیے تا کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں ایک خوشگوار ماحول پیدا کر سکیں، خاص طور پر اس لیے کہ یہ کسی بھی تنازع کو حل کرنے میں بہت مدد کرتی ہے۔ در حقیقت، آپ بہت سے ذرائع ابلاغ میں اس کی مثالیں دیکھ سکتے ہیں، اور دیکھیں کہ انہیں اسی نوعیت کے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ شاندار کامیابی ملی ہے۔

ہر سال 10 اکتوبر کو ذہنی صحت کا عالمی دن منایا جاتا ہے اور اس موقع پر یہ جان لینا چاہیے کہ ذہنی تناؤ جسم کے ساتھ ساتھ دماغی پر کس طرح اور کس حد تک مثبت یا منفی اثرات مرتب کر سکتا ہے۔

■

چانگان: چین کا سب سے قدیم شہر

عامر حسین

چانگان قدیم چین کے سب سے اہم اور انتہائی قدیم دارالحکومت شہروں میں سے ایک کا نام ہے۔ سلک روڈ کے مشرقی ٹرمینل کے طور پر جانا جاتا ہے، چانگان شانان صوبے میں جدید شہر کے شمال مغرب کے 3 کلومیٹر (1۔8 میل) کے قریب واقع ہے۔ چانگان نے مغربی ہان کے رہنماؤں (BC-220 AD 206)، سوئی (581-618 عیسوی)، اور تانگ (618-907ع) کے خاندانوں کو دارالحکومت قرار دیا۔

Chang'An 202 قبل مسیح میں دارالحکومت کے طور پر قائم کیا گیا تھا جس نے پہلا ہان شہنشاہ گاؤزو (206-195) کی طرف سے، اور یہ 904ء میں تانگ خاندان کے اختتام میں سیاسی پریشانی کے دوران تباہ کر دیا تھا۔ تانگ خاندان کے شہر نے موجودہ جدید شہر سے سات گنا زیادہ بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا، جس میں خود منگ (1368-1644) اور قنگ (1644-1912) کے خاندانوں کی تاریخ ہے۔ دو تانگ خاندان کی عمارات آج بھی کھڑے ہیں - 8ویں صدی عیسوی میں تعمیر بڑے اور چھوٹے وائلڈ گوز پو گوڈ (یا محلات)؛ باقی شہر شہر کی تاریخی ریکارڈ اور آثار قدیمہ کھدائی سے مشہور ہے جو 1956ء سے چینی آثار قدیمہ (CASS) کی طرف سے منعقد ہوا۔

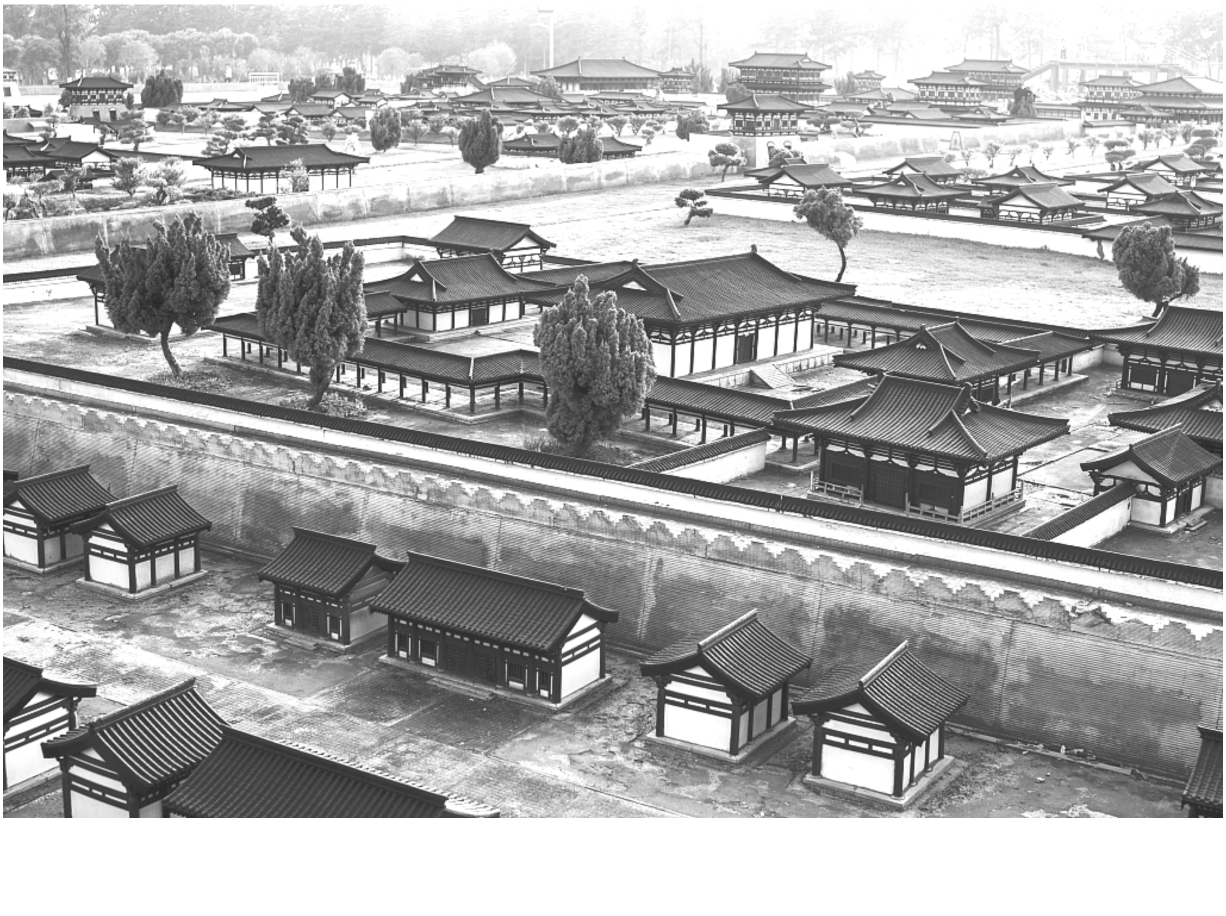

چانگ کی آبادی تقریباً 250،000 تھی، اور یہ ریشم روڈ کے مشرقی اختتام کے طور پر اس کی کردار کے لئے بین الاقوامی اہمیت کا شہر تھا۔ ہان خاندان کے شہر کو بنیاد پر ایک فاصلہ زمین کی دیوار 12-16 میٹر (40-52 فوٹ) وسیع اور 12 میٹر (40 فٹ) سے زائد اونچے گزرے ہوئے ایک ناقابل برقی کثافت کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ آبائی دیوار کل 25۔7 کلومیٹر (ہن کی طرف سے استعمال کی پیائش میں 16مائی یا62 لی) بھاگ گیا۔ دیوار 12 شہر کے دروازوں کی طرف سے چھیدے تھے، جن میں سے پانچ5 کھوئے گئے ہیں۔

دروازوں میں سے ہر ایک کے پاس 3دروازے تھے، ہر 6-8 میٹر (20-26فیٹ) وسیع، 3-4قریبی قریبی گاڑیوں کے ٹریفک کو ایڈجسٹ کرتے تھے۔ ایک میٹ نے اضافی سیکیورٹی فراہم کی، شہر کے آس پاس اور 8 میٹر وسیع پیمانے پر 3 میٹر گہری (x1026فیٹ) کی پیائش کی۔ ہان خاندان میں چانگ این میں آٹھ اہم سڑک موجود تھے جن میں سے ہر ایک 45-56 میٹر (157-183 فوٹ) وسیع ہے۔ گیٹ امن کی سب سے طویل لیڈز کی اور 5۔4 کلومیٹر (3۔4 میل) طویل تھی۔

Changleاور Weiyang محلوں کے درمیان واقع ایک انتظامی سہولت میں 57،000 چھوٹے ہڈیوں (5۔8۔7۔2 سینٹی میٹر سے) دریافت کیا گیا تھا، جن میں سے ہر ایک ایک مضمون، اس کی پیائش، نمبر اور تیاری کے نام کے ساتھ لکھا گیا تھا؛ اس ورکشاپ جہاں یہ پیدا کیا گیا تھا، اور دونوں اجنبیوں کے نام اور سرکاری افسر نے جو اعتراض کیا۔ ایک ہتھیاروں نے سات دکانوں کو منعقد کیا تھا، ہر ایک سے ہتھیاروں کا بندوبست اور بہت سے لوہے کا ہتھیاروں کا بندوبست کیا۔ برتنوں کے شمال میں واقع ایک محل وقوع کے لئے اینٹوں اور ٹائل تیار کرنے والی ایک بڑی زونیں۔

چین میں ہان شہر کے شمالی مغربی کونے میں دومارکیٹوں کی شناخت کی گئی تھی، مشرقی بازار x700780 میٹر (2600 x 2300 فٹ) اور مغربی مارکیٹ کی x420550 میٹر (x14001800 فٹ) کی پیائش کرتی تھی اور ورکشاپس۔ مٹی کے برتنوں نے روزانہ کے برتن اور آرکیٹیکچرل اینٹوں اور ٹائل کے علاوہ، جنازہ کے اعداد وشمار اور جانوروں کو پیدا کیا۔

چانگان کے جنوبی مضافات میں روایتی ڈھانچے کی باقیات، جیسے پائیونگ (سامراجی اکیڈمی) اور جمومیا ("نو

آبجیکٹ' کے آبائی مندروں)، جن دونوں دونوں وانگ- میگ کی طرف سے قائم تھے، جن نے چنگن پر حکمرانی کی۔ 23-8 کے درمیان۔ پائیونگ کو کنفیوشین فن تعمیر کے مطابق تعمیر کیا گیا تھا، ایک چوک کے چوک پر ایک مربع؛ جبکہ جمومایان اور یانگ (عورت اور مرد) اور وو5 Xing عناصر) کے معاصر لیکن متضاد اصولوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔

حن خاندان کے لئے کئی قبروں کا ذکر کیا گیا ہے، بشمول دو سامراجی مراحل، شہر کے مشرق وسطی میں، شہنشاہ وین (آر 179-157 ق۔م۔) کاب مومولوم (بالنگ)؛ اور جنوب مشرق کے مضافات میں شہنشاہ زان (آر 73-49 قبل مسیح) کے دوڈو مینولوم (ڈولنگ)۔

Duling ایک عام اشرافیہ ہن خاندان کی قبر ہے۔ اس کے وقفے کے اندر، گولہ باری زمین کی دیواروں شہنشاہ اور امپری کے دفاتر کے لئے علیحدہ پیچیدہ ہیں۔ ہر مداخلت مرکزی طور پر ایک معتدل آئتاکار کے ارد گرد کی دیوار کے اندر اندر واقع ہے اور ایک پراڈال بمباری ہوئی زمین کی گہرائی کی طرف سے احاطہ کرتا ہے۔ دونوں دفن دفاتر کے باہر دیواروں سے باہر ایک دیوار ہے، بشمول ایک ریٹائرنگ ہال (قندین) اور ایک طرف ہال (بایڈانیا) جہاں دفن شخص کے ساتھ منسلک رسمی سرگرمیاں منعقد کی جاتی تھیں، اور انفرادی شاہی پوشاکوں کو دکھایا گیا تھا۔ دو دفاتر کے گندموں میں نادری زندگی کے سائز کے ٹریراٹا کے اعداد و شمار شامل ہیں-جب وہ وہاں پہنچے تھے لیکن کپڑا چلے گئے۔

گندوں میں بھی بہت سے مٹیوں کی چٹائیوں اور اینٹوں، کانسیوں، سونے کے ٹکڑے ٹکڑے، لاکھ، چٹائیوں کے برتن، اور ہتھیاروں شامل تھے۔

اس کے علاوہ ڈولنگ نے ایک قربان گاہ کے ساتھ ایک مشترکہ مقصود مندر تھا، جس میں واقع قبروں سے 500 میٹر (1600 فٹ) واقع تھا۔ مشرق وسطی کے مشرقی علاقوں میں سیٹلائٹ ٹبمبیں حکمرانی کے خاندان کے دوران تعمیر کیے گئے ہیں، جن میں سے کچھ کافی بڑے ہیں، ان میں سے بہت سے کو نیی بمباری ہوئی زمین کی دھنوں کے ساتھ۔

گو نگچین نے اس کے مرکزی ڈھانچے کے طور پر تائیسی محل (یا سوئی خاندان کے دوران ڈیکپاس محل) شامل کیا۔ ایک سامراجی باغ شمال میں تعمیر کیا گیا تھا۔ گیارہ عظیم راستے یا بلیوارڈز شمال سے جنوب اور 14 مشرقی مغرب میں بھاگ گئے۔ ان مواقع نے شہر کو تقسیم کیا ہے جس میں رہائش گاہ، دفاتر، بازار، اور بودی اور دووسی مندر ہیں۔ قدیم

چانگان کی صرف دو عمارتیں ان مندروں میں سے دو ہیں: عظیم اور چھوٹے وائلڈ گوز پیگوڈ۔

شہر کا جنوب، جنوب میں واقع ہے اور 1911ء میں کھودا گیا تھا، چار سرکلر قدمی سرکلر قربان گاہوں پر مشتمل ایک سرکلر بمباری ہوئی زمین کے پلیٹ فارم تھا، جس میں 6۔75-8 میٹر (22-26 فٹ) کی اونچائی تک ایک دوسرے کے اوپر کھڑا ہوا۔ اور 53 میٹر (173 فٹ) قطر میں۔ اس سٹائل نے بیجنگ میں جنت کے منگ اور کنگ امپیریل مندروں کے لئے ماڈل تھا۔ 1970 میں، 1،000 چاندی اور سونے کی اشیاء کے ایک ذخیرہ، جیڈ اور دیگر قیمتی پتھروں کا نام ہجا کون ہوارڈ کا نام تھا۔ ایک اشارہ رہائشی علاقے میں 785 عشاء کا ذخیرہ مل گیا۔

چشم کی اہمیت کے لئے سلک روڈ کی تجارت میں شامل افراد میں سے ایک، چانگ'ن میں دفن ایک سوغانی یا نسلی ایرانی رب ش، یا وارکک تھا۔ سوگڈانا آج میں ازبکستان اور مغربی تاجکستان کی حیثیت سے واقع تھا، اور وہ سمرقند اور بخارا کے مرکزی ایشیائی اوسیس کے شہروں کے ذمہ دار تھے۔

وارکک کی قبر 2003 میں دریافت ہوئی تھی، اور اس میں تانگ اور سوگڈین ثقافت دونوں عناصر شامل ہیں۔ زیر زمین مربع چیمبر چینی طرز میں پیدا کیا گیا تھا، جس کے ذریعہ ایک ریمپ کی طرف سے فراہم کردہ رسائی، ایک پھنسے ہوئے راستہ اور دو دروازے۔ اندر ایک پتھر بیرونی بیرونی سرکفو گھس ماپنے 2۔5 میٹر طویل ایکس 1۔5 میٹر وسیع ایکس 1۔6 سینٹی میٹر (8۔ x5x51۔ 2 فیٹ) کی پیمائش کرتا ہے، جس نے پینٹ اور پہاڑیوں کی چھتوں، شکار، سفر، caravans اور دیوتاؤں کے مناظر کو دکھایا۔ دروازے کے اوپر lintel پر دو لکھا ہے، آدمی شی ش کے طور پر، 'شی کی قوم کے ایک شخص، اصل میں مغرب ممالک جو جو چانگان میں منتقل کر دیا گیا تھا اور Liangzhou کے سباو کا تعین کیا گیا تھا کے نام کے طور پر۔' اس کا نام سوگدین میں والکاک میں لکھا جاتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ وہ 579 سال کی عمر میں 86 سال کی عمر میں مر گیا، اور اس کی شادی کے بعد ایک مہینہ مرنے والی لیڈی کنگ سے شادی ہوئی۔

قافلہ کے جنوبی اور مشرقی حصے پر زراعت پرستی کے ایمان اور زراعت پسندی کے فیشن کے ساتھ منسلک مناظر ہیں، جنوب اور مشرق وسطی کے انتخاب کو سجانے کے لئے (جنوبی) اور جنت کی سمت جب پادریوں کے چہرے کے مطابق سجانے کے لئے سجانے کے لئے (مشرق)۔ نسخہ میں پادری نسل ہے، جو زراعت پسند دیوتا داہین آفرین کی نمائندگی کرتا ہے۔ مناظر نے موت کے بعد زہر سٹریوں کی سفر کا ذکر کیا۔

تانگ ساچیائی پٹیاں تانگ ساچیائی تانگ خاندان کے دوران خاص طور پر 54 9-846 عیسوی کے درمیان پیدا ہونے والے رنگدار چمکدار برتنوں کا عام نام ہے۔ سنکای کا مطلب ہے 'تین رنگ'، اور ان رنگوں کو عام طور پر حوالہ دیتے ہیں (لیکن خاص طور پر)، پیلے رنگ، سبز اور سفید چمکیں۔ تانگ ساچیائی اس سلائڈر روڈ کے ساتھ اس کی تنظیم کے لئے مشہور تھا- اس طرز اور شکل کو تجارت کے نیٹ ورک کے دوسرے کاروباری نیٹ ورک کے ذریعہ قرضے لے کر لیا گیا تھا۔

ایک چائے کی چٹائی کی چٹنی سائٹ چانگ این نامی لیان فانگ میں پایا گیا تھا، اور 8 ویں صدی عیسوی کے دوران استعمال کیا جاتا تھا۔ لیا نفنگ صرف پانچ معروف ٹانگ سینیائی بھتیوں میں سے ایک ہے، دوسرے چار ہانان صوبے میں ہوانگائی یا گونگزیان کلو ہیں؛ شینسی میں ہیانگ صوبے میں زنگ کن، ہوانگبی یا ہوانگبا اؤ کلو اور زنان کن۔

■

ارنسٹ ہیمنگوے

مشہور امریکی ناول نگار اور صحافی

مہوش اویس

1926ء میں ارنسٹ ہیمنگوے کا پہلا ناول The Sun Also Rises چھپا۔ یہ ناول ارنسٹ کو مقبولیت دلوانے میں بہت مددگار ثابت ہوا۔ ناول کی کہانی ہیرو جیک بارنس کے ارد گرد گھومتی ہے، جسے جنگ نے بہت بڑا زخم دیا ہے اور وہ زخم ہے اس کی مردانہ صلاحیت سے محرومی۔ اسے نہ نیند آتی ہے، نہ چین، بس روتا رہتا ہے۔ اسے سماج اور سوسائٹی کی ہر چیز سے نفرت ہو چکی ہے۔ وہ پیرس جا کر ایک ایسے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے جس کی ساری سرگرمیاں بے مقصد ہیں۔ ان میں ہر شخص جنگ کا زخم خوردہ ہے ۔اسی سبب ایذرا پاؤنڈ اور اس کے ہم خیال ادیبوں نے اس تحریک اور رویے کو 'گمشدہ نسل' (Lost Generation) کا نام دیا تھا۔ ہیمنگوے کے ناول" اے فیئر ویل ٹو آرمز" کا ترجمہ " وداع جنگ" کے نام سے اُردو میں ہو چکا ہے اور اسکی متعدد کہانیاں بھی اردو میں ڈھل چکی ہیں۔ سمندر اور بوڑھا (The old man and the sea) ہیمنگوئے کا وہ شہرہ آفاق ناول ہے جو اس نے کیوبا میں 1951 میں لکھا۔ یہ ناول ایک بوڑھے مچھیرے کی کہانی ہے جو کافی دن مچھلی پکڑنے میں ناکام رہتا ہے۔ کبھی کا سانتیاگو چیمپئن اب لوگوں کی نظر میں بس 'سلاؤ' بن کے رہ گیا، جو بدقسمتی کی بدترین مثال ہے۔

جارج پلمٹن کو انٹرویو دیتے ہوئے ہیمنگوے نے اپنے روزمرہ معمولات یوں بیان کیے۔" جب مجھے کسی کتاب یا

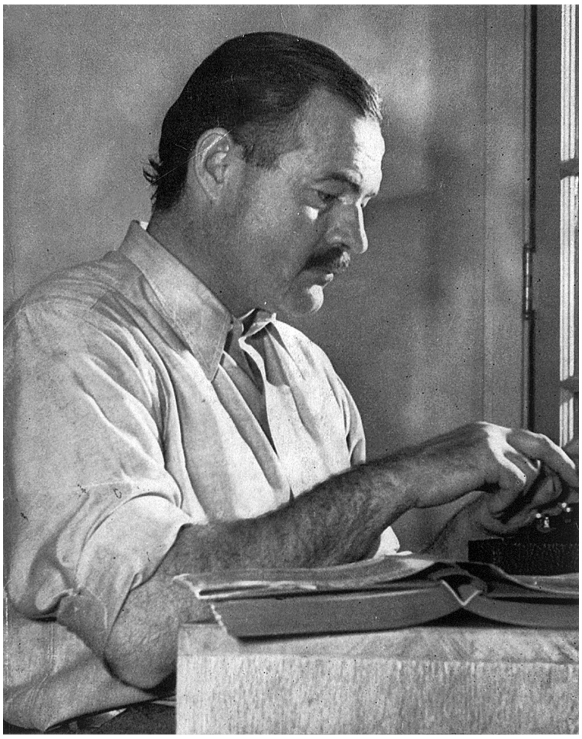

کہانی پر کام کرنا ہوتا ہے تو میں صبح پو پھوٹتے ہی کام شروع کر دیتا ہوں۔ یہ ایسا وقت ہے جس میں کوئی بھی آپ کے کام میں خلل انداز نہیں ہوتا اور اس طرح بہت سہولت سے آپ اپنا کام کر لیتے ہیں۔ اپنا لکھا ہوا دوبارہ پڑھئے۔ یہ آپ کی تحریر میں نکھار لانے کا سبب بنے گا۔"

ارنسٹ ہیمنگوے مشہور امریکی ناول نگار ہیں۔ ان کا عہد اکیس جولائی 1899 سے لے کر 1961 تک رہا۔ اُن کا مشہور قول ہے 'لکھنے والے اپنے اندر جو درد محسوس کرتے ہیں، انہیں وہ درد سپرد قلم کرنا چاہیے، اس دکھ اور کرب میں دوسروں کو بھی شامل کرنا چاہیے

اگرچہ اس وقت ہیمنگوے کو تو علم نہیں تھا، لیکن تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ کوئی بھی اپنے اندر کا دکھ، درد، کرب یا کوئی بھی خوشی کی کیفیت ضبط تحریر میں لاتا ہے تو یہ عمل دماغی صحت کو بہتر بنانے میں مدد کر سکتا ہے۔ اب تک ایسے دو سو تحقیقاتی مکالے چھپ چکے ہیں کہ جن سے پتا چلتا ہے کہ اگر آپ اپنے جذبات کو تحریر میں لے آئیں تو دماغی صحت پر مثبت اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، لیکن نفسیاتی فوائد کے حوالے سے الگ الگ رائے پائی جاتی ہے۔

2جولائی 1961 میں امریکی ریاست 'ایوڈا' کے شہر 'کیچھم' میں ان کا انتقال ہوا۔ ایک کیتھولک راہب کا کہنا تھا کی ان کی موت 'حادثاتی' تھی۔ جب کی ہیمنگوے کی بیوی نے اپنے ایک اخباری مصاحبے میں کہا تھا کہ انھوں نے اپنے آپ کو گولی مار کر خودکشی کی تھی۔ اس کی وجہ اعصابی تناؤ تھا۔

ارنسٹ ہیمنگوے نے اپنی کتاب' ڈیتھ ان دی آفٹر نون' میں بُل یا بھینسے سے مقابلہ کرنے والے کو آرٹسٹ یا فنکار قرار دیا تھا۔ سپین میں جنرل فرانکو کے آمرانہ دور میں بل فائٹنگ کو قومی یک جہتی کے لئے بھی فروغ دیا گیا تھا۔ اُسی دور میں اِس کی مقبولیت کے قومی سطح پر بڑے بڑے پلان بنائے گئے تھے۔

ارنسٹ ملر ہیمنگ وے ایک امریکی مصنف اور صحافی تھے۔ وہ 21 جولائی، 1899 کو اوک پارک، الینوائے میں پیدا ہوئے، جہاں ان کی پرورش ہوئی، اور 2 جولائی، 1961 کو، کیچم، اڈاہو میں وفات پائی۔

ہیمنگوے نے 20 ویں صدی کے افسانوں پر ایک مضبوط اثر ڈالا، جبکہ اس کی زندگی کی مہم جوئی اور اس کی عوامی امیج نے بعد کی نسلوں کو متاثر کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ارنسٹ ہیمنگ وے اور اس کے لکھنے کے انداز نے بہت زیادہ متاثر کیا جو امریکی تحریر آج اور دور تک ہے۔

مختصر کہانیوں کی مصنف کی پہلی کتاب 'ہمارے وقت' (1924) تھی۔ 'سورج طلوع' (1926، انگریزی میں 'فیسٹٹا' کے نام سے شائع ہوا)، 'الوداع، بندوق!' (1929) جنگ، انسانی حقوق، جارحیت، اور ایک ہی وقت میں، کسی بھی بری قوتوں پر انسانی ہمت، وقار، اور محبت کی برتری کی واضح طور پر عکاسی کرتی ہے۔

1930 کی دہائی کے پہلے نصف حصے میں ہیمنگوے کے کام کی افسردگی کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ اس مدت کے دوران، مصنف اپنے کام کے کچھ پہلوؤں کا تعین کرنے کے لئے، اپنی طرز زندگی پر نظر ثانی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر، 'مختصر موت کی کہانیوں' 'موت میں دوپہر' (1)، 'گرین ہلز آف افریقہ' (1932)، 'کوئی جھنڈا تو

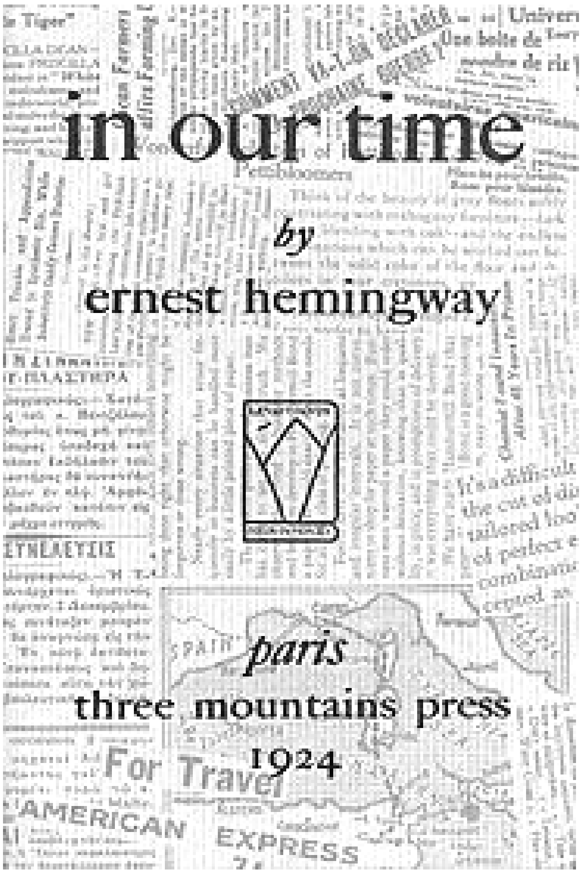

فاتح' (1935) شائع ہوا۔ ہیمنگوے کا عروج پر اضافہ ہرن آف دی بیل، دی ہیپی સ ન آف فرانسس میکومبر، دی سنو آف کلیمینجارو (1933)، اور غربت اور غربت (1936) میں دیکھا جاتا ہے۔ ہیمنگوے کے کام میں، پہلے صحافتی مشاہدے کی جگہ تجزیاتی، تقابلی اور مشاہداتی مشاہدات کی جگہ لی جاتی ہے۔ وہ کسی بھی جنگ کی مذمت کرتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسانیت اس کی وجہ سے دوچار ہے۔ وہ عام لوگوں کی شبیہہ کے ذریعہ انسانی حقوق اور آزادی کی جدوجہد میں تنہا رہنے کے تباہ کن نتائج کی تصویر کشی کرتا ہے۔

ارنسٹ ہیمنگوے کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنا ٹائپ رائٹر اور پڑھنے کے بورڈ کو اتنا اونچا رکھتے تھے کہ وہ ان کے سینے تک پہنچتا تھا۔ یہ ان کے نزدیک لکھنے پڑھنے میں یکسوئی اور کام پر توجہ مرکوز رکھنے کے لیے ضروری ہوگا۔ تاہم بعض تصاویر میں وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کی نظریں میز پر رکھے ان کے ٹائپ رائٹر پر جمی ہوئی ہیں۔ تاہم یہ دونوں ہی حالتیں اس ادیب کے لیے آرام دہ اور لکھنے پڑھنے پر توجہ برقرار رکھنے میں مددگار تھیں۔

تعلیم کے لیے اس نے اوک پارک اینڈریو فورسٹ ہائی اسکول میں داخلہ لیا اسکول کے دور میں اس نے کھیلوں اور تعلیم دونوں میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ وہ فٹ بال اور باکسنگ کے مقابلوں میں حصہ لیتا۔ تعلیمی حوالے سے سب سے زیادہ استعداد کار مظاہرہ اس نے انگریزی کلاسوں میں کیا۔ اسکول کے زمانے میں شائع ہونے والے اخبارات اور ائیر بک میں اس کی نگارشات شائع ہوتیں۔ وہ اس زمانے میں اپنے ادبی ہیرو سے متاثر ہو کر اس کے نام رنگ لارڈنر جوئنیر کے نام سے بھی لکھتا تھا۔ ہائی اسکول میں تعلیم پانے کے بعد اس نے کالج کا رخ کیا اور اخبار کنساس سٹی میں بطور رپوٹر بھرتی ہوگیا۔

1932ء میں ہیمنگوے کی کتاب جو بل فائٹنگ کے موضوع پر لکھی گئی تھی 'Death in the afternoon'

نومبر
2022ء
ماہنامہ اظہار کراچی

شائع ہوئی۔ ہمنگوے کی سپین کے بارے میں تحریروں میں اسپانوی مصنف پیو بروجا کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ ادب کا نوبل انعام حاصل کرنے کے بعد وہ بروجا سے ملنے بھی گیا جو اس وقت بستر مرگ پر تھا۔ اس نے اس امر کا اعتراف بھی کیا کہ بروجا اس سے زیادہ نوبیل انعام کا حق دار تھا۔ 1933 میں وہ سیاحت کے لیے افریقہ کے کئی ممالک میں گیا اس سفر کے تجربات بھی کئی کتابوں کی صورت میں منظر عام پر آئے۔

ہسپانوی سول جنگ کی نارتھ امریکن نیوز پیپرز الائنس کی طرف سے رپورٹنگ کے لیے وہ 1937ء میں سپین گیا، اس جنگ نے اس کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ہیمنگوے جو اپنی بیوی پالیون سے شادی کے وقت کیتھولک ہو چکا تھا اب مذہب کے بارے میں تشکک کا شکار ہوا اور چرچ سے باغی ہو گیا۔ اس کی بیوی کیھتولک ازم کی پرجوش حامی تھی اس لیے وہ فرانکو کی فاشٹ حکومت کی حمایت کر رہی تھی اس کے برخلاف ہیمنگوے ری پبلیکن حکومت کی حمایت کرتا تھا۔ اس زمانے میں اس نے 'The Denunciation' لکھا جس کا چرچا بہت کم ہی ہوا اس کی اشاعت بھی 1969ء میں ممکن ہوئی جب اس کو ہیمنگوے کی کہانیوں کے مجموعے میں شامل کیا گیا۔

1960ء میں وہ بلڈ پریشر اور جگر کی بیماری کا شکار تھا اور اس کے ساتھ وہ الیکٹروکنکولسر تھراپی بھی کروا رہا تھا۔ کیونکہ ابھی بھی شدید ذہنی دباؤ اور مالخولیا کا شکار تھا۔ اس طریقہ علاج سے یاداشت جاتی رہتی ہے۔ اس کا وزن بھی بہت گھٹ گیا اور کہا جاتا ہے کہ اس وجہ سے وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہو گیا

1961ء کے موسم بہار میں اس نے خودکشی کی کوشش کی جس پر دوبارہ اس کی ای سی ٹی کی گئی۔ دو جولائی 1961ء کو جب اس کی باسٹھویں سالگرہ میں چند ہی ہفتے رہ گئے تھے اس نے سر میں گولی مار خود کو ہلاک کر لیا۔ ہیمنگوے اپنے دماغی خلل کا ذمہ دار ای سی ٹی کے طریقہ علاج کو گردانتا رہا اس کا

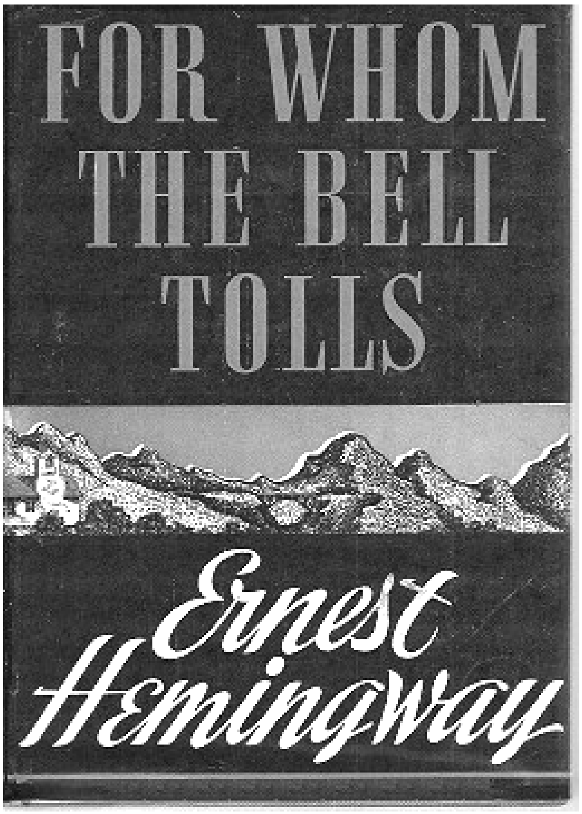

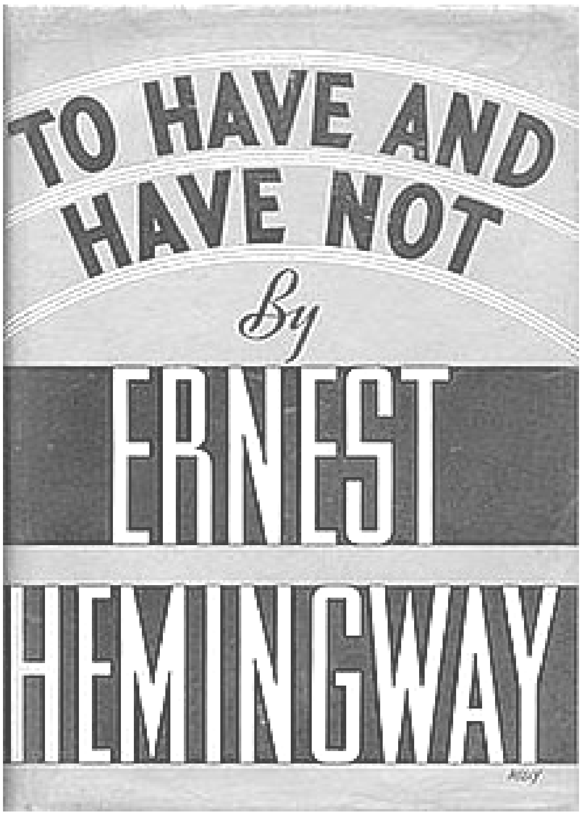

کہنا تھا کہ اس کہ وجہ سے اس کی یاداشت ختم ہو گئی ہے۔ کچھ لوگوں کو اس سے اتفاق ہے اور کچھ ڈاکٹرز کو اس سے اتفاق نہیں۔ ہیمنگوے کے خاندان میں خودکشی کا رجحان موجود تھا اس کے باپ نے بھی خودکشی کی تھی اور دو بہنوں نے بھی اسی راہ کا انتخاب کیا تھا۔

ارنسٹ ہیمنگو کی تصانیف

1. ٹریٹر آف بہار (1925)
2. سورج بھی بڑھتا ہے (1926)
3. ایک الوداع آرمز (1929)
4. کرنے کے لئے اور نہیں ہے (1937)
5. وہ جو بیل ٹولز کے لئے (1940)
6. دریا کے قریب اور درختوں میں (1950)
7. پرانا انسان اور سمندر (1952)
8. ایک جوان آدمی کی مہم جوئی (1962)
9. جزائر میں جزائر (1970)
10. گارڈن آف ایڈن (1986)

غیر افسانہ

1. دوپہر میں موت (1932)
2. گرین ہلز آف افریقہ (1935)
3. خطرناک سمر (1960)
4. ایک متحرک دعوت (1964)

مختصر کہانی

1. تین کہانیاں اور دس نظمیں (1923)
2. ہمارے وقت میں (1925)
3. مردوں کے بغیر مرد (1927)
4. برف کے کلیمانجورو (1932)
5. فاتح کچھ نہیں لیتے (1933)
6. پانچویں کالم اور سب سے پہلے قلعی نو کہانیاں (1938)
7. ضروری ہیمنگے (1947)
8. ہیمنگو ریڈر (1953)
9. نکل ایڈمز کی کہانی (1972)

■

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں توانائی کے وفاقی وزیر خرم دستگیر
سندھ میں توانائی کے مسائل پر اظہار خیال کرتے ہوئے۔

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں پبلک پرائیوٹ پارٹنرشپ کی پالیسی بورڈ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے۔

MONTHLY IZHAR KARACHI

سلسلہ قادریہ کے بانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

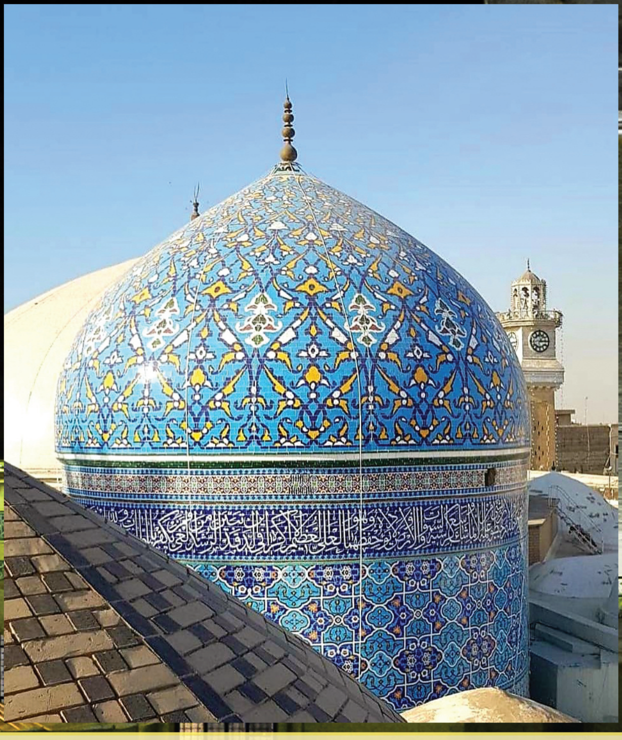

حیات وخدمات پر ایک نظر

☆... آپ کا نام سید عبدالقادر جیلانی، کنیت ابو محمد، جب کہ محی الدین، غوثِ اعظم، پیرانِ پیر دستگیر، غوث الثقلین اور محبوب سبحانی وغیرہ القاب سے مشہور ہیں۔

☆... والد کا اسمِ مبارک ابو صالح موسیٰ جنگی دوست، جب کہ والدہ ماجدہ کا نام ام الخیر فاطمہ ہے۔☆...یکم رمضان بروز جمعہ 470ھ کو ایران کے شہر جیلان میں پیدا ہوئے۔

☆... مادر زاد ولی، نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسب امام حسن رضی اللہ عنہ جب کہ والدہ کی طرف سے امام حسین رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

☆... چالیس سال وعظ و نصیحت فرمائی جس سے ایک خلقِ خدا کفر و معصیت سے تائب ہو کر آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی۔

☆... 91سال کی عمر میں 11ربیع الثانی 561ھ کو وصال فرمایا،آپ کا مزار مبارک بغداد میں ہے، جہاں ہر سال عرس کے موقع پر دنیا بھر سے قافلے بڑی تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔